پولیٹیکل اکانومی

علم المعیشت

سی، آر، اسلم

جملہ حقوق بحقِ سنگت اکیڈمی محفوظ ہیں!

نام کتاب..... پولیٹیکل اکانومی (علم المعیشت)
مصنف..... سی آر اسلم
دوسری اشاعت..... 2005
تیسری اشاعت..... 29 جنوری 2017
تعداد..... 1000
قیمت..... 200 روپے
پبلشر..... سنگت اکیڈمی آف سائنسز کوئٹہ
فون نمبر..... 03003829300
ویب سائٹ..... www.sangatacademy.net
ای میل ایڈریس..... editor@sangatacademy.net

ISBN: 978-969-673-011-8

انتساب

سعید احمد خان ایڈووکیٹ کے نام
جو زندگی کی آخری سانسوں تک غریبوں کی طبقاتی تحریک میں موجود رہا۔

فہرست

پیش لفظ	ڈاکٹر شاہ محمد مری	06
تعارف	سید مطلبی فرید آبادی	10
مقدمہ	سی آر۔اسلم	12
پولیٹیکل اکانومی (علم المعیشت)		18
قدیم اشتراکی نظام پیداوار		23
غلام داری سماج کا نظام پیداوار		35
جاگیرداری عہد کا نظام پیداوار		53
سرمایہ داری کا نظام پیداوار		74
معاشی بحران		103

پیش لفظ

معاشیات کا علم کب آسان رہا ہے۔ جاگیردار کی منشی گیری، اکاؤنٹس برانچ کی کلرکی، ضرب، تفریق، پہاڑے، کلیے، بیجک، ورداس، قلم، وحی (بہی، کھاتہ) (رجسٹر).....اور پھر جوں جوں سماج آگے بڑھتا گیا تو کیلکولیٹر، اعداد وشمار، کمپیوٹر، ورلڈ بنک رپورٹس، محکمہ معاشیات.....اور اب آئی ایم ایف، ڈبلیوٹی او، گلوبلائزیشن، فری مارکیٹ، سوشلسٹ مارکیٹ، مارکیٹ فورسز.....اتنا گنجلک شعبہ، اتنی پیچیدہ سائنس، اس قدر خوف ناک کام۔اور صاحبِ علم کی انگلیاں، مونچھیں سگریٹ کے دھوئیں سے زردی مائل زنگ سے رنگے ہوئے، شیو بڑھی ہوئی، بال الجھے ہوئے یا پھر گنجا پن.....کس قدر خوف ناک شعبہ ہے یہ۔

مگر اسی خوف ناک شعبے میں تو 95 فیصد انسانوں کی غریبی کے منتر گھڑے جاتے ہیں، لکھے جاتے ہیں۔انہی ضخیم رپورٹوں میں تو ''معمولی'' سی انویسٹ منٹ کے ''غیر معمولی منافع'' کے گنڈے اور تعویزیں لکھے جاتے ہیں۔یہی بہی کھاتے تو قافلہ گیری کے سماج سے لے کر ترقی یافتہ سرمایہ داری تک انبوہ عظیم کی تقدیروں پر سیاہی پھیرتے رہتے ہیں.....اَن مٹ دیرپا، ابدی سیاہی۔

ایسا نہیں ہے کہ غریب کو عیاری چالاکی کا پتہ نہیں ہے۔اسے تو اولین روز اس ہیرا پھیری کا پتہ چل گیا تھا جب عقل مند، بہادر اور چست آدمی کو اُس نے اپنی شکاری پارٹی کا وقتی سربراہ مان

لیا تھا اور انہی اوصاف کے بل بوتے پر شکار کے گوشت کا اچھا ٹکڑا لیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور پھر یہ ٹکڑا بڑھتا گیا اور انجام یہ کہ آج غریب اپنی محنت کا اتنا ہی حصہ پاتا ہے جتنا اگلی شفٹ کی محنت پر دوبارہ آنے کے لیے اُسے محض زندہ رکھ سکے۔ یہ ہے جدید ترین سرمایہ داری نظامِ معاشیات کا آسان ترین بیانیہ۔

مگر اس آسان اور سادہ کلیے میں بینکنگ، کسٹم، ٹیکسوں، لائسنس، پیٹنٹ، فرنچائز جیسی بے شمار بھول بھلیاں ڈال کر اس کو بہت پیچیدہ بنا دیا گیا۔ اور کارل مارکس سے قبل سیکڑوں فلاسفروں، سماجی سائنس دانوں اور انسان دوست سکالروں نے اس کی وضاحت کرنے اور اس کا متبادل تلاش کرنے میں اپنی خوب صورت زندگیاں بتا دیں.....اور بالآخر کارل مارکس نے معیشت اور اس کے اوپر قائم سیاسی سماجی ڈھانچے سے متعلق اُس وقت تک کے سارے علم کو مربوط انداز میں جدلیاتی طور پر مجتمع کر کے تین جلدوں پر مشتمل ''کیپٹل'' نامی شہرہ آفاق کتاب کی صورت لکھا۔

سی آر اسلم نے مارکس کے اِسی علمِ معیشت کا اپنے لفظوں میں خلاصہ بیان کرتے ہوئے ہمارے معاشرے کی معیشت بیان کی ہے۔ اور اس معیشت پہ مبنی سماجی اور سیاسی ڈھانچے کی گرہیں عام قاری کے لیے کھول دی ہیں۔ اس نے قدیم اشتراکیت سے لے کر سرمایہ داری کے اعلیٰ ترین اسٹیج یعنی سامراج تک، بہت ہی مہارت اور دلیل کے ساتھ دنیا کے ارتقا کو سپردِ قلم کیا ہے۔ اس کی تحریروں میں ویسے بھی بڑی سادگی ہوتی ہے۔ وہ جلد سمجھ میں آنے والے فقرے اور الفاظ استعمال کرتا ہے۔ زندگی بھر سوشلزم کی تدریس کے کام میں اس نے ہمیشہ ہی اپنے اسلوب کو سادہ رکھا ہے، عام آدمی کی ذہنی سطح کے مطابق۔ اس طرح مشکل سے مشکل بات بھی وہ آسان پیرائے میں بیان کر کے عوام الناس تک کامیابی سے پہنچاتا رہا ہے۔

سی آر اسلم ایک لاکھ کسانوں پر مشتمل کسان کانفرنس سے بھی خطاب کر چکا اور یک نفری سٹڈی سرکل کا بھی لیکچر دیتا رہا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے تذکرے کے بغیر ایشیائی انقلاب کی کوئی بات مکمل نہیں ہوتی۔ اس نے کمیونسٹ ورکروں کی ایک بہت بڑی کھیپ پیدا کی، سوشلزم کے کارواں کو منظّم کیا، پارٹی اخبار چلائے، جیلیں بھگتیں، روپوشیاں جھیلیں، کمیونسٹ وفدوں کی بیرونِ

ملک قیادت کی، بسوں، ٹرکوں پہ دشوار گزار کنوؤں کھدروں کے دوروں کے دھکے کھائے، عظیم ترین کامیابیاں دیکھیں، بے ہوش کرنے والی ناکامیاں سہیں.....مگر سی آر کبھی مایوس نہ ہوا۔ ''امید'' وہ واحد نعمت ہے جو اس کے ہاں میٹھے ٹھنڈے چشمے کی طرح سدا رواں رہی۔ سب کچھ ہارا ہوا انسان بھی سی آر سے مل کر زندگانی کے شب و روز میں دوبارہ سرگرم ہو جاتا تھا۔ سیاست ہو یا سماجی معاملات وہ ہر وقت مدد کرنے، رہنمائی کرنے اور ساتھ دینے پہ کمر بستہ رہتا۔

ثابت قدمی، پُر امیدی، اور معلّمی کے ساتھ ساتھ وہ بہت ہی فیاض اور سخی انسان تھا۔ بخل نہیں کرتا تھا، نہ علم میں نہ مال میں۔ کبھی جیب بھر کر نہیں رکھی۔ کبھی ''بچا'' کر نہیں رکھا۔

جیسے کہ ذکر ہوا، سی آر اسلم کی تحریر خشک کبھی نہیں لگتی۔ اسے پڑھتے ہوئے آپ بور نہیں ہوتے۔ وہ اپنی تحریروں میں ہاضمے کی دوائی پہلے سے ہی ملا دیتا تھا۔ پس منظر ملاتے ہوئے، مثالیں دیتے ہوئے، سیاق و سباق جوڑتے ہوئے، وہ قاری کے دماغ کو ہمہ وقت حاضر باش رکھتا تھا۔

میں آج تک جتنے بھی کمیونسٹوں سے ملا ہوں، سی آر اسلم ان سب میں سے اس لیے ممتاز تھا کہ اس کے ہاں لفظ ''میں'' نہیں تھا۔ وہ اپنی تعریف کبھی نہیں کرتا تھا، وہ اپنی تعریف کبھی نہیں سنتا تھا۔ پاکستان میں جتنی روشنی روشن خیالی اس نے پھیلائی، نجاتِ آدم کے کارواں کی جتنی خدمت اس نے کی، سماجی انصاف کی کٹھن راہ پہ جس ثابت قدمی سے وہ رواں رہا، شاید ہی کوئی اور اکیلا فرد رہا ہو۔ مگر اس میں کبھی اکڑ، تفاخر اور غرور نہ آیا۔ علامہ سے علامہ بھی اُسی سے سیکھ کر گیا ہوگا۔ اور ان پڑھ سے ان پڑھ بھی اسے کچھ نہ سکھا گیا ہوگا۔ لہٰذا رعب کیسا، غرور کیسا..... یہیں پہ تو ''بڑا پن'' پڑا ہوتا ہے۔

ہم اس کی موجودہ کتاب ''علم المعیشت'' تیسری بار چھاپ رہے ہیں۔ دوسری بار یہ کتاب ہم نے سنگت اکیڈمی آف سائنسز ہی کی جانب سے 27 اپریل 2005 میں چھاپی تھی۔ یہ اہم کتاب ہم نے سٹڈی سرکلوں میں پڑھی تھی۔ اور میرے خیال میں اس موضوع پہ اس قدر جامع، مختصر اور جلد سمجھ میں آنے والی تصنیف اور کوئی نہیں ہے۔ چودھری صاحب نے جدلی مادیت پر بھی ایک خوب صورت اور آسان فہم کتاب لکھی۔ ہم اُسے بھی دوبارہ چھاپنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کی دیگر

تحریروں کی اشاعت کا بھی منصوبہ بنا چکے ہیں۔ ہم اِس ایڈیشن میں پچھلے ایڈیشن کا تعارف ہی نقل کررہے ہیں۔ بس اُس ایڈیشن کا یہ فقرہ ہم کاٹ رہے ہیں: ''اُس کی پیرانہ سالی چند دہائیاں اور سلامت، کہ ہم ابھی کم سن ہیں، ہمارا کارواں ابھی ناپختہ ہے''۔.....اس لیے کہ وہ ہماری بات اتنی ہی مان سکتا تھا جتنی کہ فزیالوجی والی سائنس اُسے اجازت دیتی تھی۔

شاہ محمد مری

تعارف

''پولٹیکل اکانومی یا علم المعیشت'' کے عنوان سے جو مضمون ہفت روزہ عوامی جمہوریت میں شائع ہوتا رہا تھا، اب اسے کتاب کی صورت میں اس لیے شائع کیا جارہا ہے کہ سوشلزم کے قیام کی جدوجہد سے وابستہ یا اس کے برپا ہونے کے خواہش مند سیاسی وسماجی کارکن یا شائقین معاشی سماجی اور سیاسی اداروں کے نشوونما اور انسانی سماج کے ارتقا کی تاریخ سے باخبر ہوں۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے مذکورہ مضمون پر نظر ثانی کی گئی ہے اور نہایت معمولی اور جزوی اضافہ کیا گیا ہے۔ نیز اندرون پاکستان معاشی وسماجی ارتقا کی مختصر تاریخ کو بطور مقدمہ شامل کیا گیا ہے۔

ہر سیاسی اور سماجی کارکن کا علم المعیشت سے آگاہ ہونا اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ انسانی سماج کے ارتقا کی تاریخ سے واقف ہوئے بغیر کوئی درست عمل ممکن نہیں ہے اور نہ ہی ان خیال پرستی کے جالوں سے نجات حاصل ہے جو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

انسان کی پیدائش اور سماجی مسائل کے متعلق بہت سی ایسی غیر سائنسی روایات اور کہانیوں کو عقیدت مندی کے ساتھ تسلیم کیا جاتا رہا ہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور جن کی گو جدید سائنسی تحقیق نے جڑیں اکھاڑ کر رکھ دی ہیں لیکن بے خبر سادہ لوحوں کے لیے وہ اب بھی ''حقیقت'' کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ عقیدہ پرستوں کے مفروضوں کے مطابق انسان خواہ برہما کی ناف سے نمودار ہوا، یا جنت سے نکال کر زمین پر پھینکا گیا یا سائنسی تحقیقات کے مطابق نامیاتی مادے کی نشوونما کا نتیجہ تھا۔ اس وقت وہ ایسا نہ تھا جو آج ہمیں زمین اور فضا میں رہتا چلتا پھرتا

بھاگتا دوڑتا اور اڑتا نظر آ رہا ہے۔ اور جس نے فطرت کی ان قوتوں کو جن سے کبھی وہ ڈر کر انہیں پوجتا تھا یا خود کو محفوظ رکھنے کے لیے دعائیں مانگتا تھا، اپنا گھوڑا بنا لیا ہے، اور خوفزدہ ہونے کی بجائے ان پر سوار ہے۔ یہ ننگ دھڑنگ جنگلوں یا باغ عدن کا باسی اپنی محنت اور تجربات کے بل پر کس طرح اور کن مراحل سے گزر کر موجودہ سطح پر پہنچا اور فطرت کی بے لگام قوتوں کے منہ میں لگام دینے پر قادر ہوا۔؟ یہ کتاب اس سوال کا جواب پیش کرتی ہے۔ اور انسانی سماج کے نشو ونما اور تبدیلیوں کی تاریخ سے قارئین کو آگاہ کرتی ہے۔

اس لیے اس کا مطالعہ نہایت ہی ضروری ہے۔

سید مُطلبی فرید آبادی

مقدمہ

مارکسٹوں کے نزدیک انسانی تاریخ آلاتِ پیداوار کی ترقی کی تاریخ ہے۔ انسان آلاتِ پیداوار کی مدد سے ذرائع پیداوار کو کام میں لا کر اپنی ضرورت کی اشیا پیدا کرتا ہے۔ جس سے ایک معاشی نظام وجود میں آتا ہے۔ اور معاشی نظام کے مطابق سماجی نظام ترقی پاتا ہے۔ انسان پیداوار کو بڑھانے اور مشقت کو گھٹانے کے لیے نئے اور بہتر آلات پیداوار بناتا ہے تو اس تبدیلی سے نیا پیداواری طریقہ جنم لیتا ہے، جو سماجی نظام میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ گویا کہ معاشی نظام کی تبدیلی سے سیاسی نظام و سماجی اداروں اور نظریات و خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

مؤرخوں نے انسان کے ابتدائی زمانہ کو دو زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی پتھر کا زمانہ اور دھات کا زمانہ۔ یہ ابتدائی سماج جسے اشتمالی یا اشتراکی سماج بھی کہتے ہیں ماقبل تاریخ کا سماج ہے۔ ماقبل تاریخ انسانی تاریخ کا وہ عہد ہے جس کی کوئی لکھی ہوئی تاریخ نہیں ہے۔ البتہ کھدائیوں سے نکلے ہوئے آثار ملتے ہیں جن سے زمانہ قبل تاریخ کے نقش و نگار متعین کیے جا سکتے ہیں۔

ابتدائی سماج کی دو زمانوں میں تقسیم آلاتِ پیداوار کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ پہلے انسان نے پتھر کے آلات بنائے اور انہیں کام میں لایا اور پھر اس نے کانسی اور لوہے کے آلات بنائے اور انہیں کام میں لایا۔ چنانچہ اسی نسبت سے ابتدائی سماج کے زمانوں کو پتھر، اور پاکستان میں ہڑپہ اور موہنجو داڑو اور دوسرے مقامات پر جو کھدائیاں کی گئی ہیں ان میں پائے جانے والے نشانات اور آثار سے ظاہر ہو گیا ہے کہ دریائے سندھ کی وادی میں چار ہزار سال قبل مسیح جو لوگ آباد تھے وہ پتھر کے آلات

کام میں لاتے تھے اور مٹی کے برتن بنانا جانتے تھے۔

آریائی لوگ دو ہزار سال قبل مسیح اس خطے میں آنا شروع ہوئے۔ جب وہ یہاں داخل ہوئے تو وہ مویشیوں کو پالنا جانتے تھے، اور ان کے آلات کانسی کے تھے۔ ان کی مقامی باشندوں سے جنگیں بھی ہوئیں اور میل جول کی بنیادیں بھی پڑیں۔ آہستہ آہستہ وہ اس خطے میں بس گئے۔ ان لوگوں نے ایک ہزار سال قبل مسیح میں لوہا ڈھالنا اور لوہے کے آلات بنانا شروع کیے۔ لوہے کے آلات کی مدد سے زراعت میں ترقی ہوئی کاشت کاری بہتر طریقے سے ہونے لگی اور دست کاری میں بھی ترقی ہوئی۔ لوگ گنے سے شکر اور کپاس سے کپڑا تیار کرنے لگے۔ لوہے کے آلات کی مدد سے پیداوار بڑھی تو غلامی کے سماج کے لیے سازگار حالات پیدا ہو گئے۔ آلات کی ترقی نے ابتدائی سماج کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ غلامی کے سماج نے لے لی۔

یہاں ایک ہزار سال قبل مسیح تک کئی مضبوط ریاستیں عالم وجود میں آ گئیں۔

چار پانچ سو سال قبل مسیح تک غلامی کے سماج میں نمایاں معاشی اور سماجی تبدیلیاں ہوئیں جس کے سبب غلامی کا سماج ٹوٹنے لگا اور اس کی جگہ جاگیرداری سماج ابھرنا شروع ہوا۔ بدھ مت غلامی کے سماج کا مذہب تھا۔ غلامی کے سماج کے زوال کے ساتھ بدھ مت کا زوال ہونا ہی تھا۔ چنانچہ وہ زوال کی نذر ہو گیا اور اس کی جگہ جاگیرداری سماج کے مذہب یعنی ہندو مذہب نے لے لی۔

ابتدائی سماج میں پہلی تقسیمِ محنت جنس کی بنیاد پر عورت اور مرد کے مابین ہوئی یعنی عورتیں بچوں کی نگہداشت اور کاشت کاری کا چھوٹا موٹا کام کرنے لگیں اور مرد جانوروں کا شکار اور مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ محنت کی اس تقسیم سے عورتوں پر مردوں کی بالادستی قائم ہو گئی۔ ابتدائی سماج میں دوسری تقسیم، محنت کی بنیاد پر اس وقت ہوئی جب زراعت اور حرفت الگ الگ ہو گئیں۔ اس تقسیم کے نتیجے میں لوگ کام کے لحاظ سے پہچانے جانے لگے۔ مثلاً کاشت کار لوہار بڑھئی جلاہے اور موچی وغیرہ۔ غلامی کے سماج میں کام کی نسبت نے اس تقسیم کو ذات پات کی تقسیم بنا دیا اور جاگیرداری سماج کے ہندومت نے اسے مذہبی تقدس بخش دیا۔

جب غلامی والے سماج کی جگہ جاگیرداری سماج نے لی تو گاؤں کی سماجی زندگی کچھ اس

طرح قائم ہوئی کہ کسان زمین کاشت کرتے اور جلاہے، ترکھان، لوہار، موچی، درزی اپنا اپنا کام کرتے اور خود کفیل دیہی معیشت کی بنیاد پر زندگی بسر کرتے تھے۔ البتہ راجا کسانوں کی پیداوار کا ایک حصہ لے لیتا جو کبھی چوتھائی ہوتا اور کبھی دسواں ہوتا۔

پاکستان میں جاگیرداری سماج کی خصوصیت یہ تھی کہ زمین کی ملکیت مشترکہ تھی۔ جاگیرداری سماج میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہیں۔ راجے اور ان کی رانیاں محلات میں رہتے تھے اور عیش و عشرت کے لیے کسانوں اور اہلِ حرفہ کا بری طرح استحصال کرتے تھے اور امرا درباریوں اور مذہبی پیشواؤں کو جاگیریں بخشتے تھے۔ یہ راجا اکثر آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اس لیے جب باہر سے حملہ آور ہوتے تو نہ تو یہ متحد ہو پاتے اور نہ کسان کی مدد کرتے تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں اس نیم براعظم میں مغل سلطنت قائم ہوئی جو وسعت کے لحاظ سے پچھلی تمام سلطنتوں سے بڑی اور مضبوط تھی مگر اس پر بھی سترھویں صدی میں زوال آنا شروع ہوا۔ اٹھارویں صدی کے وسط (1757) میں انگریزوں نے پلاسی کی لڑائی میں کامیاب ہو کر یہاں اپنی سلطنت کی بنیاد قائم کر دی اور انیسویں صدی کے وسط (1857) میں تمام برعظیم پر قبضہ کر لیا جو 1947 تک برقرار رہ کر ختم ہوا۔

غلامی کے سماج میں غلاموں کی کئی بغاوتیں ہوئیں اور اسی طرح جاگیرداری سماج کے عہد میں بھی کسانوں نے بغاوتیں کیں جو سلطنتوں کے خاتمے اور تبدیلیوں کا باعث تو بنیں لیکن ان کی نجات کا ذریعہ نہ بن سکیں۔

جب انگریز اس نیم براعظم میں داخل ہوئے تو یہاں جاگیرداری سماج قائم تھا۔ اس سماج میں جہاں آلاتِ پیداوار ہل، چکی، کرگا اور دست کاروں کے آلات شامل تھے۔ دیہات میں خود کفیل زرعی نظام تھا جس میں کاشت کار اور دست کار اپنی محنت سے پیدا کردہ اشیا کا باہمی تبادلہ کر لیتے تھے اور زمین کی ملکیت مشترکہ تھی اور چراگاہیں بھی مشترک تھیں۔ اس معاشی نظام کی بنیاد پر جو سیاسی نظام قائم تھا وہ مطلق العنان بادشاہت کی صورت میں تھا۔ بادشاہ اپنے امراء کے ساتھ حکمرانی کرتا تھا۔ اس کی فوج اور نوکر شاہی اور ذاتی ملازم ریاست کے کام سرانجام دیتے تھے۔ بادشاہ

ساری زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا۔

جاگیرداری عہد میں آلاتِ پیداوار میں گو معمولی ترقی ہوئی لیکن زائد پیداوار تجارت کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنی اور تاجروں کا ایک الگ طبقہ نمودار ہوا۔ یہ طبقہ آہستہ آہستہ ترقی کر رہا تھا اور اہلِ حرفہ کی پیدا کردہ اشیا مثلاً کپڑا وغیرہ اشیا تبادلہ کی مانگ بڑھ رہی تھی کہ انگریزوں نے آکر اسے روک دیا اور اس کے نتیجے میں جاگیرداری سماج کے اندر نئی قوتوں کی نشو ونما رک گئی۔ اگر انگریزوں کی حکومت برصغیر پر قائم نہ ہوتی تو یہاں کا جاگیرداری سماج بھی سرمایہ داری سماج میں تبدیل اسی طرح ہو جاتا جس طرح یورپ کے ملکوں کے جاگیرداری سماج نے ترقی کر کے سرمایہ داری سماج کو جنم دیا۔

انگریزوں کے عہد حکومت میں یہاں کے معاشی نظام میں چند اہم تبدیلیاں عمل میں آئیں ۔اول یہ کہ انہوں نے زمین کی ملکیت کا قانون نافذ کیا۔ دوم یہ کہ انہوں نے سرکاری واجبات مالیہ وغیرہ جنس کی صورت میں لینے کے بجائے نقدی کی صورت میں لینا شروع کیا۔ سوم یہ کہ انہوں نے اپنی مشینی مصنوعات کو لوگوں پر مسلط کیا جس سے زراعت اور حرفت کا رشتہ ٹوٹ گیا' ملکی حرفت تباہ ہوگئی' زرعی معاشی نظام کا تانا بانا بکھر گیا۔ اور زرعی معیشت انگریزوں کے سرمایہ داری نظام سے بندھ گئی۔ چہارم یہ کہ جب انگریزوں نے مالیاتی سرمایہ کے دور میں اپنا سرمایہ یہاں درآمد کرنا شروع کیا تو سستی محنت اور سستے خام مال کی لوٹ سے بے پناہ منافع کمایا۔ پنجم یہ کہ مذکورہ عمل سے گماشتے تاجر اور مقامی سرمایہ دار طبقہ پیدا ہوا جو انگریز سرمایہ داروں کا محتاج اور دلال تھا۔

غرض اس سب کے نتیجے میں یہاں کا معاشی نظام نیم جاگیردارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ بن کر رہ گیا۔ یہ وہ صورت تھی جو 1947 تک قائم رہی ۔اُس وقت یہاں کی معیشت کا یہی نقشہ تھا کہ اس میں جاگیرداری زرعی نظام قائم تھا۔ سرمایہ داری بہت کم صورت میں تھی اور مصنوعات کے لیے وہ سرمایہ دار ملکوں کا محتاج تھا۔

جہاں تک جاگیرداری زرعی نظام کا تعلق ہے وہ آج دو بڑی زرعی اصلاحات کے باوجود جوں کا توں قائم ہے اور اس میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ جو کچھ صنعت کاری یہاں ہوئی

ہے وہ سرمایہ دار ملکوں کے قرضوں سے ہوئی ہے اور اس کی حیثیت محتاج صنعت کی ہے۔ سرمایہ دار ملکوں کی زبردست معاشی گرفت پاکستان کی معاشی زندگی کو جکڑے ہوئے ہے اور یہاں کے سرمایہ دار طبقہ کی حیثیت ذیلی یا گماشتہ سرمایہ داروں سے زیادہ نہیں ہے۔ جہاں تک محنت کش عوام کا تعلق ہے وہ پہلے سے زیادہ افلاس اور غربت سے دوچار ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر اس امر کا فیصلہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ ایسا کیا راستہ یا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے پاکستان کا معاشی نظام موجودہ گرفت سے نکلے اور ترقی کر کے بلند سماج یعنی اشتراکی سماج میں داخل ہو۔ اس عظیم تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام اور سامراج کی گرفت سے ملک کی معیشت کو آزاد کرایا جائے۔ یہ وہ کام ہے جسے مزدوروں کسانوں اور محنت کش دانشوروں کی مسلسل اور شعوری جدو جہد کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔

پولیٹیکل اکانومی

(علم المعیشت)

سماجی زندگی اشیائے ضرورت کی پیداوار کے بغیر ناممکن ہے۔انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک، پوشاک اور دوسری مادی اشیا کی ضرورت ہے۔اور خوراک اور پوشاک اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے انہیں کام کر کے اپنی محنت سے ان اشیا کو پیدا کرنا پڑتا ہے۔اور انسان ان اشیا کی پیداوار ہمیشہ اور ہر حالت میں مل جل کر کرتے ہیں۔

اشیا کی پیداوار اور مادی دولت کی پیداوار کے لیے مندرجہ ذیل عوامل کا ہونا ضروری ہے۔

1۔انسان محنت

2۔ذرائع پیداوار

3۔آلاتِ محنت

جب تک یہ تینوں موجود نہ ہوں پیداوار کا عمل جاری نہیں ہوسکتا۔

انسانی محنت

انسان کا وہ با مقصد عمل ہے جس کے دوران وہ قدرتی ذرائع پیداوار کو اس طرح تبدیل کرتا اور گھڑتا ہے کہ اُن سے اپنی ضروریات زندگی کی تسکین کر سکے۔انسانی زندگی کی بقا کے لیے محنت لازمی شئے ہے۔اس کے بغیر انسانی زندگی کی بقا ممکن نہیں ہے۔انسان اپنی محنت سے خام مال کو تیار مال کی صورت میں تبدیل کرتا ہے۔خام مال وہ اشیا ہیں جنہیں انسان اپنی محنت سے قدرتی

وسائل میں سے حاصل کرتا ہے۔مثلاً وہ جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاتا ہے، کھیتوں میں کپاس اگاتا ہے،اور پہاڑوں سے معدنیات نکالتا ہے۔عمارتی لکڑی اور کانوں سے نکالی ہوئی معدنیات اور کھیتوں میں پیدا کی ہوئی کپاس وہ خام مال ہے جسے وہ اپنی محنت سے موٹروں، کپڑوں اور فرنیچر کی صورت دیتا ہے۔

آلاتِ محنت

یہ پیداواری آلات ہیں جن کی مدد سے انسان قدرتی وسائل سے خام مال اور پھر خام مال سے تیار مال حاصل کرتا ہے۔ان میں پیداواری عمل کو جاری کرنے کے لیے جس زمین اور عمارت کی ضرورت ہے، وہ بھی اس میں شامل ہیں۔وہ گودام بھی شامل ہیں جہاں خام مال اور تیار مال رکھا جاتا ہے۔اور سڑکیں ریلیں، نہریں بھی شامل ہیں جن سے ایک جگہ سے دوسری جگہ وہ منتقل کیا جاتا ہے۔ان سب میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار پیداوری عمل میں آلاتِ پیداوار کو حاصل ہے۔آلاتِ پیداوار وہ آلات ہیں جنہیں انسان پیداواری عمل میں اپنے کام میں لاتا ہے۔

ذرائع پیداوار، آلاتِ پیداوار اور وسائل پیداوار از خود پیداوار نہیں کر سکتے۔پیداوار کے لیے وہ انسانی محنت کے محتاج ہیں۔اور جب تک انسانی محنت آلاتِ پیداوار کو حرکت میں نہیں لاتی وہ بیکار رہتے ہیں۔ان دونوں کا ملاپ ہی حرکت پیدا کرتا ہے۔

انسانی محنت آدمی کی کام کرنے کی جسمانی اور ذہنی استعداد کو کام میں لاکر ہی انسانی ضرورت کی چیزیں پیدا کر سکتی ہے۔پیداوار کے لیے اصل قوت انسانی محنت ہے جو ذرائع پیداوار کو حرکت میں لاتی ہے۔انسان نے آلاتِ پیداوار بنائے ہیں۔اور ان آلات کو بنانے اور کام میں لانے کے عمل میں اس کے کام کرنے کی صلاحیت، استعداد اور ہنرمندی میں ترقی ہوتی ہے۔اس کی عادات بدلتی ہیں۔اور اس کے نظریات اور تصورات بدلتے ہیں۔

آلاتِ پیداوار اور ان کو کام میں لاکر اشیا کو پیدا کرنے والے انسان یعنی محنت کش (مزدور اور کسان) ہی سماج کی پیداواری قوتیں ہیں اور انسانی سماج کے تمام ادوار میں محنت کش ہی

اس کی بنیادی قوت رہے ہیں۔

انسان پیداواری عمل میں ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔اور یہ تعلقات اور رشتے ''پیداواری رشتے'' کہلاتے ہیں۔ان رشتوں میں وہ ایک دوسرے سے بندھ جاتے ہیں۔

پیداواری رشتوں کا کریکٹر جاننے کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ ذرائع پیداوار کا مالک کون ہے۔کیا ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت میں ہیں؟۔یا تمام سماج کی ملکیت میں ہیں؟۔پہلی صورت میں ذرائع پیداوار کا مالک طبقہ اپنی ملکیت کے سہارے محنت کو لوٹتا ہے۔اور دوسری صورت میں ذرائع پیداوار کو تمام انسانوں کی مادی اور ثقافتی ضروریات کی تسکین کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔پیداواری رشتوں کے کریکٹر سے پیداوار کی تقسیم کا کریکٹر بنتا ہے۔اگر ذرائع پیداوار نجی ملکیت میں ہوں گے تو ان کی پیداوار نجی ہاتھوں میں جائے گی اور اسے منافع خوری کے لیے کام میں لایا جائے گا۔اور اگر ان کی ملکیت سماجی ہوگی تو پیداوار کی تقسیم سب انسانوں میں ہوگی۔

پیداوار کی تقسیم جو پیداوار اور استعمال کے درمیان ایک کڑی ہے، اس کا کریکٹر پیداواری رشتوں کے کریکٹر جیسا ہوتا ہے۔اگر پیداواری رشتوں پر نجی ملکیت ہوگی تو پیداوار کی تقسیم پر بھی اس کی چھاپ ہوگی۔

پیداوار دو کاموں کے لیے استعمال میں آتی ہے: ذاتی استعمال میں، اور پیداواری استعمال میں۔انسان پیداوار کو ذاتی استعمال لاکر اپنی خوراک، پوشاک اور دوسری ضرورتیں پوری کرتا ہے اور پیداواری استعمال میں لاکر مزید مادی دولت پیدا کرتا ہے۔

سرمایہ داری سماج میں ذرائع پیداوار پر سرمایہ داروں کی نجی ملکیت ہوتی ہے۔اس لیے پیداوار کے بھی وہی مالک بن جاتے ہیں۔مزدور ذرائع پیداوار سے محروم ہونے کی وجہ سے بھوک سے مجبور ہو کر سرمایہ داروں کے ہاتھ اپنی محنت اور قوتِ محنت فروخت کرتے ہیں۔سرمایہ دار اُن کی قوتِ محنت سے پیدا کی ہوئی پیداوار کو ہتھیا لیتے ہیں۔اس کے برعکس کمیونسٹ سماج میں ذرائع پیداوار کی سماجی ملکیت ہوتی ہے اور مزدور جو کچھ اپنی قوتِ محنت سے پیدا کرتے ہیں اُسے لوٹنے والا کوئی نہیں ہوتا۔وہ خود ہی اس کے مالک ہوتے ہیں۔

اشیا کی پیداوار، تقسیم، تبادلہ اور استعمال میں پیداوار کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ تقسیم، تبادلے اور استعمال کی صورتیں پیداوار پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ کبھی یہ صورتیں پیداوار کی ترقی کا سبب بنتی ہیں اور کبھی اس کی ترقی میں مزاحمت کرتی ہیں۔

سماج کا معاشی ڈھانچہ پیداواری رشتے ہیں جو سماج کی بنیاد ہیں۔ اس بنیاد پر قانونی اور سیاسی جماعت بنتی ہے۔ اور اس سماجی شعور کی مختلف صورتیں اس کے مطابق بنتی ہیں ۔ یہ اوپری عمارت (ڈھانچہ) ایک دفعہ وجود میں آنے کے بعد سماج کی معاشی بنیاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یعنی یا تو معاشی ترقی میں مددگار رہوتا ہے یا اس کی مزاحمت کرتا ہے۔

پیداوار کے دو رخ ہیں: ایک فنی اور دوسرا سماجی۔ فزکس، کیمسٹری، اور انجینئرنگ اس کے فنی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پولیٹیکل اکانومی اس کے سماجی پہلو سے۔

پولیٹیکل اکانومی کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ اس کا تعلق پیداواری عمل کے دوران آدمیوں کے درمیان قائم ہونے والے پیداواری رشتوں سے ہے۔

کسی ملک کا نظام پیداوار دو چیزوں سے مل کر بنتا ہے: پیداواری طاقتوں اور پیداواری رشتوں سے۔ ان دونوں میں سے پیداواری قوتیں زیادہ متحرک اور توانا ہوتی ہیں۔ آلاتِ پیداوار میں تبدیلی ہی سے پیداوار میں ترقی ہوتی ہے۔ پیداواری قوتوں میں تبدیلی اور ترقی پیداواری رشتوں کے اندر ہوتی ہے۔ لیکن ایک منزل پر پہنچ کر پیداواری قوتیں، پیداواری رشتوں سے آگے بڑھ جاتی ہیں اور پیداواری رشتے ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں ۔ قدیم پیداواری رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے پیداواری رشتے لے لیتے ہیں اور سماج کی معاشی بنیاد بدل جاتی ہے۔ معاشی بنیاد میں تبدیلی آجانے سے سماج کی اوپری عمارت (ڈھانچہ) بھی بدل جاتا ہے۔

سماج کی ترقی کا معاشی قانون پیداواری قوتوں سے پیداواری رشتوں کی جبری مطابقت ہے۔

طبقاتی سماج میں پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کا تصادم طبقاتی جدوجہد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور پرانے نظامِ پیداوار کی جگہ نیا نظامِ پیداوار سماجی انقلاب سے قائم ہوتا ہے۔

ہر نظام پیداوار کے اپنے معاشی قوانین ہیں جو انسان کی مرضی اور منشا سے آزاد ہوتے ہیں۔ انسان انہیں دریافت کرسکتا ہے اور سماج کی ترقی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کام میں لاسکتا ہے۔ لیکن جب تک معاشی نظام قائم ہے ان قوانین کو کالعدم نہیں کیا جاسکتا۔

اب تک انسانی سماج پانچ نظام ہائے پیداوار سے گزرا ہے یعنی:

1۔ قدیم کمیونسٹ نظام پیداوار

2۔ غلام داری سماج کا نظام پیداوار

3۔ جاگیرداری کا نظام پیداوار

4۔ سرمایہ داری نظام پیداوار

5۔ کمیونسٹ نظام پیداوار

قدیم اشتراکی نظامِ پیداوار

انسانی سماج کی ابتدا

دس لاکھ سے زیادہ برس ہوئے جب انسان کا زمین پر ظہور ہوا۔اور جب انسان نے آلاتِ محنت بنانے شروع کیے تو قدرت کی نشوونما میں یہ عظیم واقعہ تھا۔انسان اور حیوان میں بنیادی فرق اسی سے پیدا ہوا۔کوئی حیوان آلات محنت نہیں بنا سکتا لیکن انسان آلاتِ محنت بنا سکتا ہے۔ شروع شروع میں انسان نے تجربے سے سیکھا کہ شکار کرنے اور اپنی جان بچانے کے لیے تیز اور نوکیلے پتھر مفید آلات ہیں۔اور اس نے پتھر رگڑ کر کلہاڑی تیار کر لی اور اس طرح انسان آلات بنانے لگا۔آلات سے محنت کی ابتدا ہوئی۔

انسانی سماج کی ابتدا انسان کے ظہور کے ساتھ ہی ہوئی۔انسان گروہوں کی صورت میں رہتے تھے۔جب آلات بن گئے تو ان کے درمیان ایک نیا رشتہ پیدا ہو گیا جو حیوانوں کے درمیان نہ تھا۔یہ رشتہ محنت کا تھا۔انسان آلاتِ محنت مل جل کر بنانے اور مل جل کر کام میں لانے لگے۔مل جل کر کام کرنے سے زبان نے جنم لیا اور نشوونما پائی۔

زبان ایک ذریعہ ایک آلہ ہے جس سے انسان ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں،اپنی رائے اور تجربے ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں اور مشورہ کرتے ہیں۔اسی سے ہم خیال اور ایک رائے بنتے ہیں۔خیالات کا تبادلہ انسان کی مستقل ضرورت ہے کیوں کہ اس کے بغیر تسخیرِ قدرت کی جدوجہد جاری نہیں رہ سکتی۔بلکہ سماجی پیداوار ناممکن ہے۔

محنت اور زبان نے انسانی ذہن کی نشوونما پر فیصلہ کن اثر ڈالا ہے۔زبان کی نشوونما کا خیال کی نشوونما سے گہرا تعلق ہے۔محنت کے عمل کے دوران انسان کے تصوراتی اور ادراکی علم کا دائرہ وسیع ہوا۔اس کے حواسِ خمسہ ترقی پذیر ہوئے اور انسان کی محنت ایک شعوری عمل بن گیا۔انسانی زندگی کے لیے محنت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔بلکہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں اگر یہ کہا جائے کہ محنت نے ہی انسان کو انسان بنایا ہے۔محنت ہی کے طفیل انسانی سماج پیدا ہوا،اور اسی کے طفیل اس نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔

مادی زندگی اور آلاتِ محنت

شروع شروع میں انسان کو بے شمار مشکلات کا سامنا تھا اور اس کی زندگی کا دارومدار قدرتی وسائل پر تھا۔تسخیرِ قدرت کا عمل بہت سست تھا۔کیوں کہ آلاتِ محنت بہت ابتدائی صورت میں تھے۔وہ تراشے ہوئے پتھر اور درختوں کی توڑی ہوئی لکڑیاں ہی تھیں جو اس کے اعضا کی مددگار تھیں۔پتھر اس کا مکّا تھا اور لکڑی اس کا بازو تھی۔

انسان گروہوں میں رہتے تھے۔یہ گروہ بڑے نہیں ہوتے تھے۔کیوں کہ گروہوں کے لیے خوراک مہیا نہیں کی جا سکتی تھی۔بھوک اور درندے ان کا صفایا بھی کر دیتے تھے۔ان حالات میں مشترکہ محنت ہی انسانی محنت کی صورت ہو سکتی تھی بلکہ مشترکہ محنت کی قطعی ضرورت تھی۔

مدتوں انسان جنگل سے خوراک حاصل کرتا رہا۔اور شکار پر گزارہ کرتا رہا۔اور یہ دونوں کام وہ صرف مل کر اور سادہ ہتھیاروں سے کرتا تھا۔جو کچھ وہ مشترکہ طور پر حاصل کرتا تھا اُسے مل بانٹ کر کھا لیتا۔

ہزاروں برس کے تجربات سے انسان کاٹنے،کھودنے اور مارنے کے کام میں آنے والے سادہ اور معمولی آلات بنانے کے قابل ہوا۔آگ کی دریافت انسان کی عظیم کامیابی تھی۔ اتفاقیہ دریافت ہونے والی آگ کو انسان نے حاصل کیا اور اُسے احتیاط سے بجھنے سے بچایا۔انسان دریافت کے ہزاروں برس بعد آگ کا راز پا سکا اور خود آگ پیدا کرنے پر قدرت حاصل کر سکا۔

آلاتِ پیداوار کو بہتر سے بہتر بنانے کے عمل میں اُسے یہ علم حاصل ہوا کہ رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔اس طرح اُسے آگ پیدا کرنے کا علم حاصل ہوگیا۔

آگ کی دریافت

آگ کی دریافت سے قبل انسان زندہ رہنے کی جستجو میں کئی منزلیں طے کر چکا تھا۔مثلاً وہ درختوں کے تنوں پر رات بھر اونگھتے رہنے کے بجائے غاروں میں شب بسر کرتے کرتے انہیں اپنا گھر بنا چکا تھا۔اپنی خوراک مختلف قسم کی جڑوں پھلوں کو ہاتھوں سے کرید کر،توڑ کر اور جانورں کو پکڑ کر ان کے کچے گوشت سے حاصل کرتا تھا۔اسی دوران جب اس نے دیکھا کہ آسمانی بجلی کے گرنے ،آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے،اور طوفانی ہوا کی رگڑ سے جنگلوں میں آگ لگ جاتی ہے۔ اور آگ میں گھر جانے والے جانوروں کا گوشت بھن کر مزیدار ہو جاتا ہے تو اس نے آگ کو حاصل کرلیا۔اسی لیے انسان کے لیے تسخیرِ قدرت کی جدو جہد میں آگ کی دریافت ایک عظیم فتح تھی۔ اس نے اس بات کا اہتمام کیا کہ آگ بجھنے نہ پائے اور اس جدوجہد میں ہزاروں سالوں کے بعد اُسے آگ پیدا کرنے کا طریقہ آیا اور وہ جان سکا کہ رگڑ سے آگ پیدا کی جاسکتی ہے۔

آگ کی دریافت سے انسان جانوروں کی سطح سے بلند ہوگیا اور اس کی مادی زندگی میں انقلاب آ گیا۔وہ اس پر کھانا پکانے لگا جس کے سبب بہت سی نئی اشیا اس خوراک میں شامل ہو گئیں۔اور وہ مچھلی ،گوشت ،آلو وغیرہ بھون بھون کر کھانے لگا۔اس نے آگ کی مدد سے نئے آلات پیداوار بنائے۔وہ سردی سے بچنے کے لیے آگ کو کام میں لایا اور غاروں سے نکل کر میدانوں میں پھیلنے کے قابل ہوگیا۔آگ نے اسے درندوں کی یلغار سے محفوظ کر دیا۔

بہت مدت تک وہ شکار کے ذریعے اپنا پیٹ بھرتا رہا۔وہ جانوروں کا شکار کرتا اور ان کا گوشت کھاتا اور اُن کے کھالوں سے تن ڈھانپنے کا کام لیتا اور ان کی ہڈیوں سے مختلف آلات بناتا۔گوشت نے اس کے جسم کی نشوونما بالخصوص اس کے دماغ کی نشوونما میں اہم رول ادا کیا۔

جیسے جیسے اس کے جسم اور دماغ نے نشوونما پائی وہ آلاتِ پیداوار بنانے کے اہل ہوتا

گیا۔لکڑی کی چھڑی کو نوکدار بنا کر اس سے شکار کرنے لگا۔پھر اس نے چھڑی کے سرے پر نوکدار پتھر لگا لیا۔پتھر کی کلہاڑی ،پتھر کے بھالے ،پتھر کے چاقو اور مچھلیاں پکڑنے کے کانٹے تیار کیے اور ان ہتھیاروں کی مدد سے بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرنے اور مچھلیوں کے پکڑنے کے قابل ہوگیا۔

چوں کہ وہ مدتوں تک پتھر کے آلات اور ہتھیار بناتا رہا،اس لیے یہ عہد پتھر کا زمانہ کہلاتا ہے۔یہ عہد ہزاروں سال پر مشتمل ہے۔اس کے بعد انسان نے تانبے کے ہتھیار بنائے۔بعد ازاں کانسی کے اور آخر میں لوہے کے۔یہ اسی نسبت سے کانسی اور لوہے کا زمانہ کہلاتا ہے۔

تیر اور کمان کی ایجاد سے اسے خوراک حاصل کرنے میں آسانی ہوگئی۔جانوروں کے شکار کے زمانے میں ہی وہ جانوروں کو پالنے لگا۔سب سے پہلے اس نے کتے کو پالا جو حفاظت اور شکار میں اس کا رفیق ثابت ہوا۔بعد ازاں بکریوں کو،بھیڑوں اور گھوڑوں کو اس نے پالنا شروع کیا۔

کھیتی باڑی کی ابتدا

کھیتی باڑی کی ابتدا پیداواری قوتوں کی نشوونما کی طرف ایک بڑا قدم تھا۔پھلوں کی تلاش میں اس نے درختوں اور جھاڑیوں کے قریب نئے پودوں کو اگتے دیکھا اور ہزاروں برسو ں کے بعد انسان یہ جان گئے کہ نئے پودے بیج کے زمین پر گرنے سے اگتے ہیں۔اس دریافت کے بعد انسان درختوں اور پودوں کی کاشت کرنے لگے جس سے زراعت کی ابتدا ہوئی۔پہلے وہ ہاتھوں سے زمین پر بیج ڈالتے تھے۔پھر لکڑی کے ہل کی مدد سے زمین پولی کی جانے لگی اور لکڑی کے پھاوڑے کی ایجاد ہوئی۔انسان جانوروں کا پالنا سیکھ چکا تھا-اس نے جانوروں کی مدد سے زمین پر ہل چلانا شروع کیا۔جب وہ دھات کا پگھلانا سیکھ گیا تو اس نے کاشتکاری کے آلات دھات سے بنانے شروع کر دیے۔دھات کے آلات کو استعمال میں لانے سے اس کی محنت زیادہ پیداوار کرنے لگی جس کے نتیجے میں ابتدائی قبیلے زمین پر آباد ہوئے-یہ سماجی زندگی کا آغاز تھا۔

ابتدائی سماج میں پیداواری رشتے اور تقسیم محنت

پیداواری رشتے، پیداواری قوتوں کی نشوونما کی سطح اور ان کے کیریکٹر سے متعین ہوتے ہیں۔ابتدائی اشتراکی سماج میں ذرائع پیداوار مشترکہ تھے،اور اسی بنیاد پر پیداواری رشتے قائم ہوئے تھے جو اس عہد میں پیداواری رشتوں کی سطح تھی۔اسی کے مطابق پیداواری رشتے بھی تھے۔ آلات ابھی ایسے تھے کہ انسان اکیلا نہ درندوں سے لڑسکتا تھا اور نہ قدرت کو تسخیر کرسکتا تھا۔ابتدائی سماج میں اشتراک کی وجہ انسان کی کمزوری تھی نہ کہ آلات کی مشترکہ ملکیت۔

ابھی انسان کی محنت صرف اتنا ہی پیدا کرتی تھی جتنا اس کے زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا۔وہ ابھی زائد پیداوار کرنے پر قادر نہ تھا۔ان حالات میں سماج میں نہ تو طبقات تھے اور نہ انسان کی محنت کے استحصال کا وجود تھا۔انسان چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں رہتے تھے اور پیداوار کا اشتراکی کریکٹر الگ الگ گروہوں تک محدود تھا۔

اس سماج میں پیداواری عمل باہمی تعاون سے ہوتا تھا۔باہمی تعاون کے طفیل انسان بڑے بڑے جانور شکار کرلیتا تھا۔چوں کہ پیداواری قوتیں زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھیں،اس لیے جو کچھ خوراک فراہم ہوتی تھی وہ مساوی تقسیم کرلی جاتی تھی۔چوں کہ پیداوار بڑی مشکل سے ضرورت کو پورا کرتی تھی اس لیے اور کسی قسم کی تقسیم ناممکن تھی۔کیوں کہ اگر کسی ایک فرد کو اس کے مساوی حصے سے زیادہ ملے تو کسی دوسرے فرد کا بھوکا رہنا ضروری تھا۔اس لیے مشترکہ محنت کی پیداوار کی مساوی تقسیم ناگزیر تھی۔

ابتدائی اشتراکی سماج کا بنیادی معاشی قانون یہ تھا کہ اس سماج میں ذرائع پیداوار مشترکہ تھے اور مشترکہ محنت سے آلات پیداوار کی مدد سے زندہ رہنے کا سامان فراہم کیا جاتا تھا اور اس سامان کی تقسیم مساوی ہوتی تھی۔

جوں جوں آلاتِ پیداوار نے ترقی کی،تقسیم محنت عمل میں آئی۔اس کی پہلی تقسیم فطری تھی یعنی جنس اور عمر کی تقسیم (عورت اور مرد کے درمیان،بچوں اور جوانوں کے درمیان تقسیم محنت)، پیداواری قوتوں کی نشوونما کے ساتھ محنت کی تقسیم پکی ہوتی گئی۔مرد شکار کرنے لگے اور عورتیں گھر کا

کام اور سبزیاں اگانے کا کام کرنے لگیں۔اس تقسیم محنت سے محنت کی کارکردگی اور ہنرمندی میں اضافہ ہوا۔مرد شکار کرنے میں طاق ہوگیا اور عورت گھر کا کام کاج کرنے میں طاق ہوگئی۔

قبائلی نظام

مادری نظام، پدری نظام

جس زمانے میں انسان حیوانوں (جانوروں) کی دنیا سے الگ ہو رہا تھا تو وہ گروہوں کی صورت میں رہتا تھا۔جب وہ اپنی خوراک خود پیدا کرنے لگا اور اس کی آبادی میں اضافہ ہوا تو اس کے نتیجے میں سماج کی اولین تنظیم یعنی قبائلی تنظیم پیدا ہوئی۔

اس وقت خون کے رشتے کی بنا پر لوگ اکٹھے ہی رہتے اور مشترکہ محنت کرتے تھے۔آلاتِ پیداوار ایسے تھے کہ یہ محدود لوگ ہی مشترکہ محنت کرسکتے تھے اور ابتدائی انسان ہر اس انسان کو جس سے اس کا خون کا رشتہ نہ ہوتا،اپنا دشمن سمجھتا تھا۔

ابتدا میں قبیلہ اُن چند درجن افراد پر مشتمل تھا جن کا آپس میں خون کا رشتہ ہوتا تھا۔پھر آہستہ آہستہ قبیلے کے افراد میں اضافہ ہوتا گیا جس سے ایک قبیلہ کئی سو نفوس کا بن گیا۔مشترکہ زندگی گزارنے کی عادت راسخ ہوگئی اور مشترکہ محنت کی ضرورت اور اس کے فوائد نے انہیں اکٹھا رہنا سکھایا۔

مورگن نے جو ابتدائی سماج کی تاریخ کا مؤرخ ہے،امریکہ کے ابتدائی قبائل کی ہیئت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان قبائل کا بنیادی ذریعہ معاش جانوروں کا شکار،مچھلی کا پکڑنا،اور جنگلی پھلوں کو اکٹھا کرنا تھا۔محنت کی تقسیم مرد و عورت کے درمیان یوں تھی کہ مچھلیاں پکڑنا،شکار کرنا،ہتھیار بنانا،فصلیں بونا،کاٹنا،اجناس کا ذخیرہ کرنا،کھانا پکانا،کپڑے تیار کرنا،برتن بنانا اور جنگل صاف کرنا،بڑے جانوروں شکار کرنا۔یہ وہ کام تھے جو قبیلہ کے مرد مشترکہ محنت سے کرتے تھے۔بڑے بڑے وسیع مکانات ہوتے تھے جن میں بیک وقت بیس خاندان رہتے تھے۔ان کے خوراک کے ذخیرے مشترکہ ہوتے تھے۔عورت قبیلہ کی سردار ہوتی تھی اور اس کا کام مختلف خاندانوں میں خوراک تقسیم کرنا تھا۔جنگ کی صورت

میں یہ اپنا سردار چن لیتے تھے۔اور جنگ ختم ہوتے ہی اس کی سرداری ختم ہوجاتی تھی۔

قبائلی سماج کی سطح پر عورت جو قبیلہ کی سردار ہوا کرتی تھی ،وہ اس وقت کے مادی حالات کا تقاضا تھا ۔ چوں کہ شکار کرنے کے ہتھیار بہت ابتدائی قسم کے تھے ۔ان کی مدد سے پیدا کیا ہو اگوشت تمام قبیلے کی ضرورت کو پورا نہ کرسکتا تھا اور پھر یہ بھی ضروری نہ تھا کہ ہر دفعہ شکار کو مار لیا جائے۔ اس لیے کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کی اہمیت زیادہ تھی ۔ کیوں کہ یہ پیداوار حاصل کرنے کا زیادہ قابلِ اعتماد ذریعہ تھا۔آلات کشاورزی بہت ہی ابتدائی قسم کے تھے اور ان کی مدد سے عورتیں ہی اپنی جھونپڑیوں اور غاروں کے اردگرد فصلیں کاشت کرتی اور انہیں کاٹتی تھیں ۔اس لیے عورت کا مقام (مرتبہ) قبیلے میں زیادہ اہم تھا۔طویل عرصے تک عورت نے ابتدائی سماج کی زندگی میں اہم کردار ادا کیا اور اسی لیے اُس سماج میں اولاد بھی ماں کے نام سے منسوب کی جاتی تھی۔

جب پیداواری قوتوں نے مزید ترقی کی تو ایک طرف چرواہی معیشت نے جنم لیا اور انسان نے مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ اور گلے پالنے شروع کیے اور دوسری طرف زراعت میں بھی ترقی ہوئی ۔زیادہ وسیع قطعات اراضی میں فصلیں کاشت کی جانی لگیں ۔ یہ دونوں کام مرد کرنے لگے جس سے سماج کی زندگی میں مردوں کا فیصلہ کن حصہ ہوگیا اور ماں کی سرداری کی جگہ باپ (مرد) کی سرداری قائم ہوگئی ۔اور اولاد مرد سے منسوب کی جانے لگی ۔اس ابتدائی سماج کے پیداواری عمل میں مرد یا عورت جس کا زیادہ اہم حصہ ہوگا ،سماج میں وہ ہی زیادہ محترم اور غالب ہوگا۔

چوں کہ اس سماج میں نجی ملکیت نہیں تھی اور سماج ابھی تک طبقات میں تقسیم نہیں ہوا تھا اور انسانی محنت کے استحصال کا وجود نہیں تھا ،اس لیے سماج میں ریاست کا وجود بھی نہیں تھا۔لینن نے اپنے مضمون ''ریاست'' میں لکھا ہے:

''ابتدائی سماج میں ریاست کا کوئی وجود نہیں تھا اس لیے سماج میں رواج کی بالادستی تھی اور قبیلہ کے سردار کا احترام تھا اور اس کا حکم مانا جاتا تھا۔ قبیلے کا سردار کبھی مرد اور کبھی عورت ہوتی تھی ۔لیکن اُس سماج میں لوگوں کا کوئی ایسا گروہ جو دوسروں پر حکمرانی کرے اور ایک مخصوص طبقے کے مفاد کی خاطر دوسروں کو دبائے اور ان پر تشدد کرے ،اس کا وجود اُس سماج میں نہیں تھا۔

محنت اور تبادلے کی سماجی تقسیم کا آغاز

جب انسان نے مویشی کو پالنا اور کھیتی باڑی کرنا سیکھ لیا تو اس سے محنت کی سماجی تقسیم پیدا ہوئی ۔ پہلے مختلف کام مختلف قبائل کرتے تھے ،بعد ازاں ایک ہی قبیلے کے افراد مختلف کام کرنے لگے ۔ چرواہی قبیلے اور کھیتی باڑی کرنے والے قبیلوں کے وجود میں آنے سے سماج میں محنت کی پہلی تقسیم نمودار ہوئی ۔ چرواہی قبیلے جو مویشی پالتے تھے انہیں زیادہ کامیابی ہوئی ۔انہیں مویشیوں کی حفاظت کرنا آگئی اور دودھ گوشت اور اون انہیں فروانی سے ملنے لگا ۔محنت کی تقسیم سے محنت کی پیداواری صلاحیت اور ہنرمندی میں قابلِ ذکر اضافہ ہوا۔

اس عرصے تک ابتدائی سماج میں اشیا کے تبادلے کا رواج نہ تھا ۔ وہ ہو بھی نہ سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد ان معنوں میں نہ تھی کہ وہ اپنی ضروریات سے زیادہ پیدا کرنے پر قادر تھے ۔ جس قدر پیدا کرتے مل بانٹ کر کھا لیا کرتے تھے ۔اشیا کا تبادلہ (تجارت) پہلے مختلف قبائل کے درمیان شروع ہوئی جو مدت دراز تک صرف اتفاقیہ ہوتا تھا۔

جب کھیتی باڑی کرنے والے اور مویشی پالنے والے قبائل وجود میں آگئے تو اس سے پیداوار کے امکانات بڑھ گئے ۔ چرواہی قبائل کے پاس مویشی ،دودھ ،گھی ،گوشت ،کھالیں اور اون ضرورت سے زیادہ پیدا ہونے لگا اور ان میں زرعی اجناس کی ضرورت کا بھی احساس پیدا ہوا۔اور وہ قبائل جو زراعت کرتے تھے وہ اس کام میں مشاق ہوتے چلے گئے اور اپنی ضروریات سے زیادہ زرعی اجناس پیدا کرنے لگے۔اس صورت حال کے نتیجے نے ان دونوں قسم کے قبائل میں اپنی اپنی پیدا کردہ اشیا کے تبادلے (تجارت) کو جنم دیا۔

مویشی پالنے اور کھیتی باڑی کے ساتھ ساتھ دوسرے پیداواری عمل بھی وجود میں آئے ۔ پتھر کے زمانے میں ہی انسان برتن بنانا سیکھ چکا تھا۔اس کے بعد اس نے کپڑا بننا بھی سیکھ لیا اور جب اُسے لوہا ڈھالنا آگیا تو وہ لوہے کے آلات کلہاڑی ،درانتی ، بھالا وغیرہ بنانے لگا۔ یہ ایسے کام تھے جنہیں کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کے ساتھ ساتھ کرتے رہنا مشکل تھا۔اس لیے قبیلے کے چند لوگوں نے اسی کام کو کرنا شروع کر دیا جس سے لوہار ،کمہار اور دوسرے دست کار وجود میں آگئے ۔

اوراس صورت حال نے اشیا کے تبادلے (تجارت) کوفروغ دیا۔

نجی جائیداد اور طبقات کا آغاز

ابتدائی سماج میں عورت قبیلے کی سردار تھی تو اس وقت ابتدائی کمیونسٹ سماج اپنے عروج پہ تھا۔ جب مادی زندگی کی تبدیلیوں نے مرد کو قبیلے کا سردار بنا دیا تو سماج میں ایسے حالات رونما ہونے لگے جن سے اس ابتدائی سماج کے تار پود کا بکھر جانا لازمی تھا۔

ابتدائی اشتراکی سماج کے پیداواری رشتے ایک مدت تک پیداواری قوتوں کی ترقی کے مطابق تھے۔لیکن جب نئے اور زیادہ بہتر آلات پیداوار (لوہے کے آلات) بننے لگے تو اس ابتدائی سماج کے پیداواری رشتے ان نئی پیداواری قوتوں کے مطابق نہ رہے۔اور مشترکہ ملکیت اور پیداوار کی مساوی تقسیم نئی پیداواری قوتوں کے راستے میں حائل ہونے لگی۔ پہلے ایک قطعہ زمین کوئی درجن بھر آدمیوں کی مشترکہ محنت سے ہی کاشت کیا جا سکتا تھا۔اس لیے مشترکہ محنت لازمی تھی۔ جب آلاتِ پیداوار اور محنت کی کارکردگی میں ترقی ہوئی تو ایک ہی کنبے کے افراد اس قابل ہو گئے کہ زمین کو کاشت کر سکیں اور اپنی ضروریات کی اشیا پیدا کر سکیں۔بہتر آلاتِ پیداوار نے معاشی ترقی کے سامان پیدا کر دیے اور مشترکہ محنت اور کمیونسٹ معیشت کی ضرورت کم ہو گئی۔مشترکہ محنت کا تقاضا تھا کہ آلاتِ پیداوار مشترکہ ملکیت میں ہوں۔انفرادی محنت کی اہمیت بڑھ جانے سے نجی ملکیت قائم ہونے کے لیے فضا سازگار ہو گئی۔

نجی محنت کی سماجی تقسیم تبادلے (تجارت) کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ پہلے پہل قبیلو ں کے سردار اپنے قبیلوں کی فالتو اشیا کا تبادلہ دوسرے قبائل کی اشیا سے کرتے تھے۔اور یہ تبادلہ قبیلوں کی اشیا کے درمیان ہوتا تھا۔ جو کچھ وہ اس تبادلے میں حاصل کرتے تھے وہ سب سارے قبیلہ کا ہوتا تھا۔لیکن جب محنت کی تقسیم اور زیادہ ہو گئی اور تجارت کو فروغ ہوا تو قبیلے کے سردار، قبیلے کی فالتو پیداوار کو اپنا سمجھنے لگے اور ان کے بدلے حاصل کردہ اشیا کے مالک بھی خود بن بیٹھے۔

پہلی جنسِ تبادلہ یا تجارت

مویشی پال (چرواہی) قبیلوں کے پاس بھیڑوں اور دوسرے مویشیوں کے بڑے بڑے گلے تھے۔قبیلوں کے سردار اُن کا تبادلہ ضرورت کی دوسری اشیا سے کرنے لگے۔اس طرح تبادلے یا تجارت کی پہلی جنس مویشی بنے اور پھر آہستہ آہستہ پیداوار کے آلات بھی جنس تبادلہ بنتے چلے گئے۔جس سے مویشی اور آلات پیداوار کی نجی ملکیت رواج پا گئی۔البتہ زمین کی مشترکہ ملکیت دیر تک برقرار رہی۔

پیداواری قوتوں کی نشوونما اور ان کی نجی ملکیت نے ابتدائی اشتراکی سماج کو ختم کر دیا۔ جب قبائل میں کنبوں نے علیحدگی اختیار کرنا شروع کی تو اس سے خاندانوں کی بنیاد پڑ گئی۔اور ان خاندانوں نے آلاتِ پیداوار اور مویشی بھی الگ کر لیے اور ان پر ان خاندانوں کی نجی ملکیت قائم ہو گئی۔نجی ملکیت کے ظہور سے قبائلی رشتے ٹوٹنے لگے اور دیہی آبادیوں نے قبیلوں کی جگہ لے لی۔ مکان، گھر کا سامان اور مویشی الگ الگ کنبوں کی ملکیت بن گئے۔جنگلات، چراگاہیں، آب رسانی کے وسائل اور کاشت کی جانے والی زمین مشترکہ ملکیت رہے۔کاشت کی جانے والی زمین پہلے ایک خاص مدت کے بعد تقسیم کی جاتی تھی۔پھر اس پر بھی نجی ملکیت رواج پا گئی۔ابتدائی سماج میں نجی ملکیت کے قیام اور تبادلے (تجارت) کے آغاز نے سماج کی ترقی میں ایک موڑ کا کام کیا۔نجی ملکیت سے مختلف گروہوں اور افراد کے مفادات نے جنم لیا۔سماج کے اس دور میں وہ افراد جو سماج میں محترم تھے (مثلاً قبیلے کے سردار اور پروہت) وہ اپنی حیثیت سے فائدہ اٹھانے لگے اور دولت مند بن گئے۔انہوں نے مشترکہ جائیداد میں زیادہ حصہ حاصل کر لیا۔ یہ افراد سماج کے دوسرے لوگوں سے امتیازی حیثیت اختیار کرتے گئے اور قبیلوں میں اشرافیہ گروہ بن گئے۔اور پھر (مرنے کے بعد) اپنی دولت اور سماجی حیثیت کو اپنے ورثا کے لیے چھوڑنے لگے۔ یہ اشرافیہ خاندان قبائل کے امیر ترین خاندان بن گئے۔اور قبیلے کے دوسرے لوگ کسی نہ کسی شکل میں ان کے محتاج ہو گئے۔

پیداواری قوتوں کی نشوونما سے انسان اپنی ضروریات سے زیادہ پیدا کرنے لگا اور اس

بات کے امکان پیدا ہو گئے کہ فالتو پیداوار کا استحصال کیا جا سکے۔ اس صورت حال نے انسانی سماج میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی اور قبائلی جنگوں میں مغلوب قبیلوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کو غلام بنا لینا زیادہ فائدہ مند بن گیا۔ جب کہ پہلے قبائلی جنگوں میں مویشیوں اور دوسری پیداوار کے ذخیروں کو لوٹنے کے لیے مغلوب قبیلوں کے انسانوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ دولت مند کنبوں اور اشرافیہ خاندانوں نے بڑی تعداد میں غلام رکھنے شروع کیے اور ان سے مویشی پالنے اور کھیتی باڑی کا کام لینے لگے۔ غلاموں کی محنت نے سماج میں عدم مساوات کو اور بڑھایا کیوں کہ وہ خاندان جو غلاموں کی محنت سے پیداوار کرتے تھے وہ امیر سے امیر تر بن گئے۔ غلاموں کی محنت چوں کہ فائدہ مند ثابت ہوئی اس لیے اب صرف جنگ سے حاصل ہونے والے قیدیوں کو ہی غلام بنانے پر اکتفانہ کیا گیا بلکہ اپنے قبیلے کے قلاش اور غریب لوگوں کو بھی غلام بنایا جانے لگا۔ اور اس طرح غلام داری سماج کی صورت میں سماج کے اندر واضح اور بہت نمایاں طبقاتی تقسیم نمودار ہوئی۔ اور سماج آقاؤں اور غلاموں کی شکل میں بٹ گیا۔ اور اب اس سماج میں آدمی آدمی کا استحصال کرنے لگا۔

مذکورہ بالا صورت حال نے ابتدائی سماج کے پیداواری رشتے ختم کر دیے اور نئے پیداواری رشتوں نے ان کی جگہ لے لی جو نئی پیداواری قوتوں کا تقاضا تھے اور ان کے مطابق تھے۔

انفرادی محنت نے مشترکہ محنت کی جگہ لے لی۔ سماجی جائیداد نجی جائیداد ابن گئی اور قبائلی سماج طبقاتی سماج بن گیا۔ اس وقت سے موجودہ کمیونسٹ سماج کی تعمیر تک انسانی تاریخ طبقاتی کش مکش کی تاریخ ہے۔

******

بورژوا دانش وراس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ شخصی جائیداد یا نجی ملکیت ہمیشہ سے ہے، لیکن تاریخ اُن کے اس دعوے کو جھٹلاتی ہے اور اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ ہر جگہ انسانی سماج ابتدائی اشترا کی سماج سے گزری ہے جس کی بنیاد مشترکہ ملکیت پر تھی اور جس میں نجی ملکیت کا وجود نہ تھا۔ اور انسان معاشی نشوونما کی موجودہ صورت حال تک اسی منزل سے گزر کر پہنچے ہیں۔ اور معاشی نشوونما کی ایک خاص سطح پر آ کر نجی ملکیت پیدا ہوئی ہے۔

خلاصہ

1۔ انسان حیوانوں کی دنیا سے اپنی محنت کے بل بوتے پر الگ ہوا اور اسی سے انسانی سماج پیدا ہوا۔ انسانی محنت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آلات پیداوار بنا سکتی ہے۔

2۔ ابتدائی سماج میں پیداواری قوتیں پست تھیں اور پیداواری آلات ابتدائی تھے۔ اس وجہ سے انسان مشترکہ محنت کرنے پر مجبور تھے۔ پیداوار مشترکہ اور اس کی تقسیم مساوی تھی۔ ابتدائی سماج میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا وجود نہیں تھا۔ اور آدمی آدمی کی محنت کا استحصال نہیں کرتا تھا۔ ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت الگ الگ گروہوں کی اپنی تھی جو ایک دوسرے سے الگ الگ زندگی گزارتے تھے۔

3۔ ابتدائی سماج کا بنیادی معاشی قانون یہ تھا کہ آدمی اپنی بنیادی ضروریات ابتدائی آلاتِ پیداوار کی مدد سے ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کی بنیاد پر حاصل کرتا تھا اور اسے مساوی طور پر بانٹ لیا کرتا تھا۔

4۔ انسان بہت مدت تک ایک ہی قسم کی محنت کرتا رہا۔ لیکن آلاتِ پیداوار کی تبدیلی نے تقسیمِ محنت پیدا کی اور یہ پہلی تقسیم جنس اور عمر کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ جب آلاتِ پیداوار بہتر ہو گئے اور بنیادی ضروریات پیدا کرنے کے طریقے بہتر ہو گئے، اور مویشی پالنا اور کھیتی باڑی کرنا انسان نے سیکھ لیا تو اس سے سماجی محنت میں اور تقسیم ہوئی اور اشیاء کے تبادلے (تجارت) کا آغاز ہوا۔ نجی ملکیت، عدم مساوات، آدمی کی محنت کا استحصال اور سماج میں طبقات کا وجود نمودار ہوا۔ اس طرح پیداواری قوتیں اور پیداواری رشتے غیر مطابق ہو گئے۔ اور نئی پیداواری قوتوں نے پرانے پیداواری رشتوں کو ختم کر دیا۔ اس طرح ابتدائی اشترا کی سماج کی جگہ نئے پیداواری رشتوں یعنی غلامی کے سماج کا قیام عمل میں آیا۔

غلام داری سماج میں طریقہ پیداوار

غلامی انسانی تاریخ میں استحصال (لوٹ) کی بہت ہی بھدی اور اولین صورت ہے۔ ماضی میں تمام انسانوں میں غلامی کے رواج کا پتہ چلتا ہے۔ غلامی کا رواج سب سے پہلے قدیم ایشیا میں ہوا جہاں ابتدائی اشترا کی سماج ختم ہوا تو اس کی جگہ غلام داری سماج نے لے لی۔ میسوپوٹامیہ (عراق) میں ابتدائی اشترا کی سماج ختم ہونے کے بعد جو سمیری، اشیری اور بابلی تہذیبیں ابھریں وہ سب غلام داری سماج کی بنیاد پر قائم ہوئیں۔ میسوپوٹامیہ (عراق) میں غلام داری سماج کی بنیاد ولادتِ مسیح سے کم وبیش چار ہزار سال قبل پڑی۔ اسی زمانے کے لگ بھگ مصر، ہندوستان اور چین میں غلام داری سماج کی ابتدا کا پتہ چلتا ہے۔ ایشیا میں غلام داری سماج کی بنیاد پر ایک وسیع سلطنت قائم ہوئی جس کا قیام آٹھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی سن عیسوی تک 1300 سال پر مشتمل تھا۔ یونان میں غلام داری سماج پانچویں اور چھٹی صدی میں (ق۔م) پورے عروج پر تھا۔ ایشائے کوچک میں چوتھی صدی (ق م) میں غلام داری سماج قائم ہوا۔ غلام داری سماج کی سب سے بڑی سلطنت رمتہ الکبری تھی جو چار سو سال پوری شان وشوکت سے قائم رہی۔

ایشیا میں غلام داری سماج کے دوران جو کلچر کی ترقی ہوئی اس کا یورپ کی سماجی نشوونما پر زبردست اثر پڑا۔

ابتدا میں غلام کو گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا اور اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ شروع شروع میں غلام کی محنت سماج کی پیداوار میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی کیوں کہ پیداوار کا مقصد

قبیلے کی ضرورت کی تکمیل تھا۔ چوں کہ تجارت کو فروغ نہیں ہوا تھا، اس لیے پیداوار جنسِ تبادلہ نہیں بنی تھی۔ آقاؤں کو غلاموں پر لامحدود اختیار حاصل تھے۔ چوں کہ غلام کی قوتِ محنت کو کام میں لانے کے وسائل محدود بھی تھے، اس لیے اس کی قوتِ محنت کے استحصال کی جو صورتیں بعد میں بنیں وہ موجود نہ تھیں۔

جب پیداواری قوتوں میں مزید ترقی ہوئی محنت کی تقسیم اور بڑھی۔ اشیا کے تبادلے (تجارت) نے فروغ پایا تو ابتدائی اشترا کی سماج کے غلام داری سماج میں تبدیل ہو جانے کے مادی حالات پیدا ہو گئے۔

جب انسان پتھر کے آلات پیداوار کی جگہ لوہے کے آلاتِ پیداوار بنانے لگا تو اس تبدیلی سے اس کی قوتِ محنت کا دائرۂ عمل وسیع ہو گیا۔ دھونکنی کی ایجاد نے لوہار کو اس قابل بنا دیا کہ وہ لوہے کے مضبوط ہتھیار بنالے۔ لوہے کی کلہاڑی انسان کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار آ گیا جس سے وہ جنگلوں کو صاف کرنے کے قابل ہو گیا اور لوہے کے پھالے کی مدد سے لکڑی کے ہل کے مقابلے میں زیادہ بڑی زمین کے قطعات کو زیر کاشت لے آیا۔ اب اس نے جنگلی جانوروں کے شکار سے خوراک حاصل کرنے کا کام چھوڑ کر کاشت کاری اختیار کر لی۔ وہ مویشی پالنے لگا۔ اس منزل پر پہنچ کر دستکاری نے ایک علیحدہ شعبہ کی صورت اختیار کر لی۔ کاشت کاری اور مویشی پالنے کے کاموں میں انسان کے طاق ہو جانے سے زرعی پیداوار بڑھی۔ اب اس نے انگور کی بیلیں، السی، سروں، توریا اور تل جیسی جنسوں کی کاشت بھی شروع کر دی۔

دولت مند گھرانوں کے مویشیوں کے ریوڑ اور گلے بڑھنے لگے اور اُن کے چرانے اور دیکھ بھال کرنے کے لیے زیادہ انسانوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ کپڑا بُننے، برتن بنانے، لوہے کے آلات گھڑنے اور ڈھالنے کے فن نے آہستہ آہستہ ترقی کی۔ اس سے پہلے کاشت کاری اور مویشی پال کے کام زیادہ اہم اور دستکاری ضمنی کام تھا۔ جسے کاشتکار اور چرواہے خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ مگر جب دستکاری کے کام نے ایک علیحدہ شعبہ کی صورت اختیار کر لی تو قوتِ محنت میں تقسیم عمل میں آ گئی جو قوتِ محنت کی سماجی تقسیم کا دوسرا بڑا عمل ہے۔ جس سے دستکاری اور زراعت کی علیحدہ علیحدہ نشوونما

ہونے لگی۔اس تقسیم کے نتیجے میں تبادلے کے لیے پیداوار کی جانے لگی جو ابتدا میں معمولی تھی۔اس تقسیم سے محنت کی کارکردگی اور صلاحیت میں اضافہ ہوا۔جس سے پیداوار بڑھی۔ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت سے سماج کے ایک مختصر گروہ کے ہاتھوں میں دولت کے جمع ہونے اور کام کرنے والوں کی اکثریت کی محرومی ومحکومی اور غلامی کی مادی بنیاد پڑ گئی اور اس طرح محنت غلامی بن گئی۔

ابتدا میں غلام داری سماج کی معیشت بنیادی طور پر فطری تھی۔فطری معیشت میں پیداوار کا تبادلہ عمل میں نہیں آتا بلکہ یہ مقامی ضروریات میں استعمال ہوتی تھی۔لیکن غلام داری سماج میں یہ صورت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔اضافہِ پیداوار کے ساتھ اشیا کا تبادلہ ہونے لگا۔پہلے دستکار، قبیلے کے لوگوں کے لیے وہ اشیا بناتے تھے جن کی وہ خواہش کرتے تھے لیکن بعد ازاں وہ تبادلے کے لیے بنانے لگے۔شروع شروع میں دست کار دستکاری کے کام کے علاوہ معمولی پیمانے کی کاشت کاری بھی کرتے تھے۔کاشت کار پہلے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے غلہ پیدا کرتے تھے مگر بعد ازاں وہ اشیائے ضرورت دست کاروں سے بدل لینے کے لیے بھی اجناس پیدا کرنے لگے اور سرکاری واجبات کی ادائیگی کے لیے بھی اپنی پیداوار کا ایک حصہ منڈی میں لے جانے پر مجبور ہو گئے۔اور اس طرح دستکاروں اور کاشت کاروں کی محنت سے پیدا کی جانے والی پیداوار نے جنس تبادلہ کی شکل اختیار کر لی۔

جنسِ تبادلہ اس پیداوار کا نام ہے جو ذاتی استعمال کے لیے نہیں بلکہ تبادلے اور منڈی میں بیچنے کے لیے پیدا کی جاتی ہے۔جب اشیا کی پیداوار تبادلے کی غرض سے ہونے لگتی ہے تو اس معیشت کو جنسِ تبادلہ کی معیشت کہتے ہیں۔غرض اس طرح دست کاری اور زراعت کی ایک دوسرے سے علیحدگی اور دست کاری کا الگ شعبہ وجود میں آجانے سے جنس تبادلہ کی معیشت کا آغاز ہو گیا۔

جب تک پیداوار کے تبادلے کی حیثیت ضرورت کی بنا پر لین دین کی رہی تو پیداوار کا تبادلہ براہِ راست ہوتا تھا لیکن جب تجارت کو فروغ ہوا تو تبادلہ کا پیمانہ ایک ایسی شئے قرار پائی جس سے اشیا کا تبادلہ ہونے لگا۔اس طرح تجارت میں زر کے نظام نے قدم رکھا۔

زر ایک ایسی جنس تبادلہ ہے جس سے دوسری اشیائے تبادلہ کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں اور جو تبادلے کے عمل میں پیمانے کا کام دیتی ہے۔مثلاً تجارت کی ابتدائی شکل میں کسان اپنا غلہ بیچتا تھا اور رائج الوقت سکہ لے کر اس سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیتا تھا۔جب کہ سکے کے رواج سے قبل وہ براہِ راست دستکار کو اپنی پیداوار دے کر اشیائے ضرورت لیتا تھا۔جس شئے نے سکے کی صورت اختیار کی وہی زر کہلائی۔بعد میں یہ شئے چاندی اور سونا قرار دی گئی۔

دستکاری کی نشو ونما اور تجارت کے فروغ سے شہروں کی ابتدا ہوئی۔غلام داری سماج کے آغاز کے ساتھ ساتھ شہر نمودار ہوئے۔ابتدا میں شہروں اور دیہات میں کوئی خاص فرق نہ تھا لیکن جب دست کار اور تاجر شہروں میں جمع ہونے لگے تو شہر اور دیہات میں ایک نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔یہ فرق کاروبارِ زندگی اور رہن سہن کے طور طریقوں کا تھا۔اس طرح شہر دیہات سے الگ حیثیت اختیار کر گئے اور ان میں بنیادی فرق پیدا ہو گیا۔

جوں جوں اشیا کے تبادلہ میں اضافہ ہوا، تاجر دور دور تک پھیل گئے۔تاجر انسانوں کا وہ گروہ تھا جو پیدا کرنے والوں سے اشیا خریدتا اور قریب یا دور کی منڈیوں میں یہ اشیا ضرورت کے خریداروں کے ہاتھوں بیچتا۔پیداوار کے اضافے اور تجارت کے فروغ نے سماج میں عدم مساوات کو بڑھا دیا۔مویشی، آلاتِ پیداوار، بیج، روپیہ اور، زر امیر لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہوتے چلے گئے۔اور وہ دولت مند بن گئے۔غریب لوگ اِن امیر لوگوں سے ضرورت کے وقت قرض لینے پر مجبور ہوئے جسے وہ کبھی جنس کی صورت میں لیتے اور کبھی روپیہ کی شکل میں۔امیر لوگ انہیں آلات پیداوار اور بیج اور روپیہ کی شکل میں قرض دیتے تھے اور ان سے قبالہ غلامی لکھوا لیتے تھے اور قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں انہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے اور ان کی زمینوں کے مالک بھی بن بیٹھتے تھے۔اس طرح دنیا میں سود خوری کا رواج ہوا اور وہ مرحلہ پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں زمین کی خرید وفروخت اور رہن رکھنا شروع ہو گیا اور زمین نجی ملکیت بن گئی۔بڑے قطعات کے مالک مشترکہ چراگاہوں اور شاملات دیہہ کے رقبوں کو بھی ہتھیانے لگے۔امیر آقاؤں کے ہاتھ زمین اور روپیہ کے علاوہ غلاموں کی بڑی تعداد بھی آ گئی۔خود کاشت کی بنیاد پر زراعت ختم ہوتی چلی گئی۔اور اس کی جگہ غلام

داری کی معیشت کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں اور آہستہ آہستہ زراعت اور دستکاری کے علاوہ پیداوار کے دوسرے شعبوں میں غلام داری کی معیشت چھا گئی۔ اینگلز نے ''خاندان، نجی ملکیت اور ریاست'' میں لکھا کہ، ''پیداوار میں متواتر اضافے نیز صلاحیتِ محنت اور کارکردگی میں اضافے نے انسانی قوتِ محنت کی قدر و قیمت بڑھا دی، اور اس طرح غلامی جو ابتدائی شکل میں تھی سماج کے نظام کا اہم حصہ بن گئی۔ غلام اب صرف پیداواری عمل میں مددگار نہ رہے بلکہ کھیتوں اور ورکشاپوں میں ان کی بڑی تعداد سے کام لیا جانے لگا''۔

مختصر یہ کہ غلام کی محنت سماج کی زندگی کی بنیاد بن گئی اور سماج دو مخالف طبقوں یعنی غلاموں اور آقاؤں میں بٹ گیا۔ غلام داری سماج میں ایک طرف آزاد تھے اور دوسری طرف غلام۔ آزاد لوگوں کو ہر قسم کے سیاسی و سماجی حقوق حاصل تھے۔ البتہ عورتیں ان حقوق سے محروم تھیں جن کی سماجی حیثیت غلاموں جیسی تھی۔ غلام ہر قسم کے حقوق سے محروم تھے۔ اور کبھی ان آزاد انسانوں کی صفوں میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ آزاد لوگ بھی دو حصوں میں منقسم تھے۔ سیکڑوں غلاموں کے آقا اور وسیع قطعات اراضی کے مالکوں کا ایک گروہ تھا۔ دوسرا گروہ دستکاروں اور خود کاشت کرنے والے آزاد لوگوں کا تھا۔ دوسرے گروہ میں جو صاحبِ حیثیت تھے، وہ بھی غلاموں کے آقا تھے۔ اور ان کی محنت سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ پروہت اور مذہبی آقاؤں کے وابستگان تھے۔

غلاموں اور آقاوں کے طبقاتی تضاد کے علاوہ دوسرا طبقاتی تضاد بڑے مالکوں اور خود کاشت کرنے والوں کے مابین تھا۔ لیکن چوں کہ غلاموں کی محنت بہت سستی تھی، اس لیے پیداوار کے تمام شعبوں میں اسی کو استعمال کیا جانے لگا اور سماج کا بنیادی تضاد آقاؤں اور غلاموں کا تضاد بن گیا۔

سماج کی طبقاتی تقسیم نے ریاست کی ضرورت پیدا کر دی۔ محنت کی تقسیم اور تجارت کے فروغ کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور قبیلائی نظام کا پہلا کردار ختم ہو گیا۔ قبائلی نظام کے سماجی ادارے غلاموں پر غلبہ رکھنے کے ادارے بن گئے اور غلاموں کو لوٹنے اور دبانے کے علاوہ پڑوسی قبیلوں کو لوٹنے اور دبانے کا کام کرنے لگ گئے۔ قبیلوں کے سردار اوقاتِ جنگ کے قائد اب بادشاہوں اور راجاؤں کے چولوں میں نمودار ہوئے۔ پہلے قبیلوں کے لوگ انہیں خود بطور سردار چنتے

تھے۔ ان کی قبیلے کے افراد سے نہ تو حیثیت الگ ہوتی تھی اور نہ ہی حقوق الگ ہوتے تھے۔ مگر اب وہ آقاؤں اور بڑے مالکوں کے مفادات کی حفاظت کا کام سرانجام دینے لگے اور اس مقصد کے لیے مسلح جتھے رکھنے لگے۔ دربار کا آغاز ہوا اور ان کی حکم عدولی کرنے والوں کے لیے تعزیریں مقرر کی گئیں۔ اور اس طرح ریاستی اقتدار سماج میں پیدا ہوا۔

لینن نے اپنے ایک مضمون ''ریاست'' میں لکھا ہے کہ ''جب سماج میں طبقات پیدا ہو گئے۔ جب غلامی کا رواج ہوا اور جب انسانی محنت زائد پیداوار کرنے کے قابل ہوئی جو اس پیداوار کو پیدا کرنے والے غلام کی کم سے کم ضرورت سے زیادہ بنتی تھی، تب اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہو گیا''۔

ریاست کا وجود اس لیے ضروری ہو گیا کہ لوٹی جانے والی اکثریت کو اقلیت کے مفاد کے لیے قابو میں رکھا جائے۔ ریاست نے غلام داری سماج کے پیداواری رشتوں میں استحکام پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا اور غلاموں کو محکومی میں رکھا۔ اس طرح ریاست عوام کو دبانے اور ان پر غلبہ رکھنے کی ایک مضبوط مشین بن گئی۔ یونان اور رومہ کی شہری جمہوری ریاستیں جن کی بورژوا مؤرخ تعریفیں کرتے ہیں، ان میں غلاموں کو مطلق کسی قسم کے حقوق حاصل نہ تھے۔

غلام داری سماج کے پیداواری رشتے

غلام داری سماج کے پیداواری رشتوں کی بنیاد یہ تھی کہ نہ صرف ذرائع پیداوار بلکہ غلام بھی آقاؤں کی ملکیت تھے۔ غلام کی حیثیت آلاتِ پیداوار سے مختلف نہ تھی۔ آقاؤں کو غلاموں پر مکمل اختیارات حاصل تھے۔ اس سماج میں غلاموں کی محنت کا استحصال ہی نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ان کی حیثیت مویشیوں سے زیادہ نہ تھی۔ آقاوں کو انہیں جان سے مار ڈالنے تک کے اختیارات تھا۔ ابتدائی سماج میں جب غلامی کا رواج ہوا تو غلام کو کنبے کا فرد سمجھا جاتا تھا۔ لیکن غلام داری سماج میں وہ انسان بھی نہ رہ گیا تھا۔

مارکس نے غلام داری سماج میں غلام کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، ''غلام

آقا کے پاس اپنی قوت محنت نہیں بیچتا تھا۔اس کی حیثیت تو بیل کی سی تھی۔جو کسان کے پاس اپنی قوتِ محنت نہیں بیچتا۔غلام اپنے آقا کے پاس بک جاتا اور اس کے اس کی حیثیت بیل سے زیادہ نہ رہتی تھی''۔

غلام کی محنت جبریہ تھی۔غلاموں کو اپنی جسمانی قوت سے کام کرنا پڑتا تھا۔انہیں چابک سے ہانکا جاتا تھا۔معمولی سے معمولی لغزش کی سزا سخت ترین ہوتی تھی۔غلاموں کی پیشانی کو داغا جاتا تھا تاکہ اگر وہ بھاگ نکلیں تو پکڑنے میں آسانی ہو۔بعض آقا ان کے گلوں میں لوہے کے پٹے ڈال دیتے تھے جن پر اُن کے آقاوں کا نام لکھا ہوتا۔بعض کے کانوں میں بالیاں ڈال دی جاتی تھیں۔''حلقہ بگوش'' لفظ اسی زمانے کی یادگار ہے جو غلاموں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

آقا،غلاموں کی محنت سے حاصل ہونے والی ساری پیداوار لے لیتا تھا اور انہیں صرف معمولی خوراک دی جاتی تھی تاکہ وہ زندہ رہیں اور کام کرنے کے قابل رہیں۔وہ غلام کی محنت سے پیدا کردہ تمام اشیا ساری کی ساری لیتا تھا۔اور اس کے پاس اتنا چھوڑ دیتا تھا جو اس کی بنیادی ضروریات کے لیے بھی کافی نہ ہوتا تھا۔

جوں جوں غلام داری سماج میں ترقی ہوئی غلاموں کی مانگ بڑھی۔بہت سے ملکوں میں غلاموں کے اہل وعیال نہیں ہوتے تھے۔غلاموں سے اتنی زیادہ محنت لی جاتی تھی کہ وہ بہت جلد مر جاتے تھے۔اس لیے غلاموں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے جنگیں لڑی جاتی تھیں۔چنانچہ اس دور میں غلام حاصل کرنے کا اہم ذریعہ جنگ تھا۔

ایشیا میں غلام داری سماج میں جو سلطنتیں قائم ہوئیں وہ غلاموں کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے ملکوں پر اکثر فوج کشی کیا کرتی تھیں۔اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو غلام بنالیتیں۔

قدیم یونان کی تاریخ ایسی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔رومتہ الکبریٰ کی سلطنت اکثر جنگ کی حالت میں رہتی تھی اور غلاموں کو حاصل کرنے کے لیے یونان نے اس وقت کی آباد دنیا کو فتح کرلیا۔جنگ میں مفتوح سپاہیوں ہی کو غلام نہیں بنایا جاتا تھا۔مفتوحہ علاقے کی آبادی کے بہت بڑے حصے کو بھی غلام بنالیا جاتا تھا۔

مفتوحہ علاقے غلام حاصل کرنے مستقل ذریعہ تو تھے ہی،فاتح ان علاقوں سے غلاموں کے علاوہ پیداوار بھی سمیٹ لیتے ہیں۔غلاموں کی تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں قائم ہوئیں جن میں دور دراز سے تاجر آکر غلاموں کی خرید فروخت کرتے تھے۔

غلام داری سماج کے طریق پیداوار سے پیداواری قوتوں کی ترقی کے لیے امکانات بڑھے اور اس سماج میں پیداواری قوتوں کو ابتدائی سماج سے زیادہ ترقی ہوئی۔جب ریاستوں اور آقاؤں کے پاس غلاموں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تو انہوں نے ان کی قوتِ محنت سے پیداوار کو بڑھایا۔اس عہد مین چین،ہندوستان،مصر،اٹلی،یونان اور وسط ایشیا میں غلاموں کی محنت سے نہریں،سڑکیں،پل،قلعے اور محل تعمیر ہوئے۔اہرام مصر بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔اس عہد کی تمام یادگاریں غلاموں کی محنت کا نتیجہ ہیں۔

غلام داری سماج میں سماجی محنت کی مزید تقسیم عمل میں آئی۔زراعت اور دستکاری نے مزید ترقی کی۔تقسیم محنت سے محنت کی کارکردگی میں اضافہ ہوا۔

یونان میں غلاموں سے دستکاری کرائی جاتی۔بڑی بڑی ورکشاپیں قائم تھیں جن میں درجنوں غلام بیک وقت کام کرتے تھے۔کان کنی کے کام میں غلاموں کو لگایا گیا۔لوہا سونا اور چاندی کے کانوں سے نکالنے کا کام غلام ہی سرانجام دیتے تھے۔اسی طرح تعمیرات کا کام بھی غلاموں سے لیا جاتا رہا۔رومہ میں غلاموں کو کھیتی باڑی کے کام میں لگایا گیا۔غلاموں کے مالک اشرافیہ طبقے کے لوگ بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالک تھے۔ان قطعات میں ہزاروں غلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔غلاموں کی محنت بے حد سستی تھی۔وہ ہزاروں کی تعداد میں اپنے آقاوں کی زمینوں کو کاشت کرتے تھے۔ان کی محنت سے زرعی اجناس بہت پیدا ہونے لگیں۔چھوٹی خود کاشت کسان ان بڑے مالکوں کا کھیتی باڑی میں مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔اس لیے خود کاشت ختم ہوگئی اور خود کرنے والے کسان غلاموں کی صفوں میں شامل ہوتے گئے یا شہروں میں غریب اور بیکار لوگوں کی تعداد میں اضافہ کا باعث بنے۔

ابتدائی سماج سے غلام داری کا سماج تک کے عبوری دور اور دیہات کا تضاد ابھر آیا تھا۔

جوں جوں غلام داری کا سماج مستحکم ہوتا گیا، یہ تضاد گہرا ہوتا گیا۔ غلاموں کے آقا اشرافیہ طبقہ کے لوگ، تاجر، سود خور اور ریاست کے اہلکار شہروں میں جمع ہو گئے۔ یہ سب دیہاتی آبادی کو لوٹتے تھے۔ اس وجہ سے شہروں اور دیہات کے تضاد میں شدت پیدا ہوئی۔

اس عہد میں معیشت اور ثقافت میں خاص ترقی ہوئی۔ چوں کہ اس عہد میں غلام آسانی سے دستیاب ہو جاتے تھے، اس لیے ٹیکنیکل ترقی بہت کم ہوئی۔ غلاموں کی محنت کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں پیداوار بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ کام سے جی چراتے تھے۔ غلامی کی زندگی کے خلاف وہ گاہے گاہے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے۔ انہوں نے تشدد کے آلات تیار کیے اور غلاموں سے ان کے ذریعے کام لینے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ طریقِ پیداوار غلام داری سماج میں بہت پست رہا۔ سائنسی امور میں جو تھوڑی بہت ترقی ہوئی اس عہد میں اسے بھی پیداواری عمل میں نہیں لایا گیا۔ البتہ جنگ کے ہتھیاروں اور تعمیرات میں کام آنے والے آلات میں ضرور ترقی ہوئی۔ غلام داری سماج کے طریقہ پیداوار میں کئی صدیوں کے بعد بھی تبدیلی نہ آئی اور ایسے ایسے آلات اور پیداواری عمل میں استعمال کیے جاتے رہے جو بھاری اور بھدے تھے۔ پیداوار کی بنیادی قوت غلاموں اور مویشیوں کی جسمانی قوت ہی رہی۔ چوں کہ پیداوار کے تمام شعبوں میں غلاموں سے کام لیا جاتا تھا، اس لیے آقا ہر قسم کی محنت و مشقت سے آزاد تھے اور تمام کام غلام ہی کرتے تھے۔ غلاموں کے آقا جسمانی محنت کے نام پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور ان کے نزدیک یہ کام صرف غلاموں کا تھا۔ غلام داری سماج میں غلاموں کے آقاؤں کا کام ریاست کا کام چلانا تھا اور عملی مشاغل میں حصہ لینا تھا۔ اس طبقے کے پاس فرصت ہی تھی اس لیے اس نے سیاست اور سائنس میں دلچسپی لی جس سے سائنس اور علم و ادب میں خاصی ترقی ہوئی۔

غلام داری سماج میں ذہنی اور جسمانی کام کرنے والوں میں تفریق پیدا ہوئی اور تفریق بہت بڑھ گئی۔ غلام داری سماج کے پیداواری رشتوں کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں آقا غلاموں کا استحصال کرتے تھے۔ ایشیائی ملکوں میں معیشت کی فطری حیثیت غالب رہی۔ فطری معیشت کی خصوصیت یہ تھی کی اس میں پیداوار مقامی استعمال کے لیے ہوتی تھی لیکن یورپ میں معیشت کا یہ

پہلو زیادہ غالب نہ تھا۔ یہاں غلام ریاست۔ آقاؤں اور معبدوں کے لیے کام لیا جاتا تھا۔ چین، ہندوستان اور مصر میں صرف غلاموں کا استحصال ہی نہیں ہوتا تھا خود کاشت کسانوں کی آبادیوں کو بھی لوٹا جاتا تھا۔ خود کاشت کسان اکثر قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور ان میں سے جو قرض ادا نہ کر سکتے تھے، سود خوروں کے غلام بن جاتے تھے۔

ایشیا میں اس عہد میں زمین کی مشترکہ ملکیت تھی۔ ریاست کی ملکیت میں بڑے بڑے قطعات اراضی ہوتے تھے۔ چوں کہ ان ملکوں میں قدرتی وسائلِ آب پاشی کم تھے اور بارش سارا سال نہ ہوتی تھی، اس لیے مصنوعی آب پاشی کا نظام وجود میں آیا اور نہریں کھودی جانے لگیں۔ نہریں بنانے، تالاب کھودنے اور بندات باندھنے کے لیے لاکھوں انسانوں کی ضرورت تھی۔ وسائل آب پاشی کی تکمیل اور دیکھ بھال کا کام ریاست کے ذمہ تھا۔ مصنوعی آب پاشی زراعت کے لیے شرطِ اول تھی۔ اور یہ کام مرکزی حکومت ہی سرانجام دے سکتی تھی۔ ان ملکوں میں کسانوں پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے اور انہیں مختلف قسم کے فرائض بیگار میں سرانجام دینے پڑتے تھے۔ ان کسانوں کی حالت غلاموں سے کسی طرح بہتر نہ تھی۔ غلام داری سماج میں یہ بستیاں مطلق العنان شہنشاہیت کی بنیاد بنیں۔

غلام داری سماج میں غلاموں کے آقا پیداوار کو اپنی ذاتی عیاشی میں صرف کرتے تھے۔ وہ سونا چاندی اور جواہرات جمع کرتے اور عظیم الشان محلات بناتے، قلعے تعمیر کرتے اور معبد بناتے تھے۔ اہرام مصر جو آج بھی قائم ہیں، لاتعداد غلاموں کی محنت کا نتیجہ ہیں اور ان کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ان گنت غلاموں کی بے پناہ محنت اس کام پر صرف کی گئی تھی۔ غلاموں کی محنت سے پیدا کی گئی پیداوار کا بہت تھوڑا حصہ ذرائع پیداوار کو ترقی دینے کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ اس عہد میں تباہ کن جنگیں لڑی گئیں جن میں پیداواری قوتیں تباہ ہوئیں، شہر اور بستیاں اجڑ گئیں۔

غلام داری سماج کے معاشی نظام کا بنیادی قانون یہ تھا کہ غلاموں کی محنت سے پیدا کی گئی پیداوار غلاموں کے آقا اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے تھے اور آقاؤں کو اس پیداوار پر مکمل اختیار تھا۔ اس عہد میں دستکاروں اور خود کاشت کار کسانوں کو بھی غلام بنایا گیا۔ دوسرے ملکوں پر فوج کشی کی گئی

اور مفتوحہ علاقے کے لوگوں کو بھی غلام بنایا گیا۔

تجارت کو ترقی

تاجروں اور سودخوروں کا سرمایہ

غلام داری سماج میں پیداوار غلاموں کے آقاؤں، ان کے ملازموں اور خدمت گاروں کے کام آتی تھی اور ابتدا میں یہ پیداوار تبادلے کے لیے نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود تجارت کو فروغ ہوا اور پیداوار کا ایک حصہ جنسِ تجارت بنا اور منڈی میں جا کر فروخت ہونے لگا۔ جوں جوں تجارت کو فروغ ہوا، زر کا نظام پھیلا۔ چرواہی قبیلوں میں پہلے پہل مویشی تبادلے کا ذریعہ بنے لیکن مویشی آہستہ آہستہ چاندی اور سونے میں تبادلے کا پیمانہ بن گئے۔ اور قدیم ایشیائی ملکوں میں دھات نے سکے کی صورت اختیار کر لی۔ کانسی، چاندی اور سونے کے سکے استعمال کیے جانے لگے۔ یہ رواج تین ہزار سال قبل مسیح میں ہوا۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں ان دھاتوں کے باقاعدہ سکے ڈھالے جانے لگے۔ یونان میں آٹھویں صدی قبل مسیح، رومہ میں پانچویں صدی قبل مسیح میں تانبے کے سکے بنتے تھے۔ لوہے اور تانبے کے سکوں کی جگہ چاندی اور سونے کے سکوں کا رواج بہت بعد میں ہوا۔ یونان کی شہری ریاستیں دور دراز تک تجارت کرتی تھیں۔ بحر روم کے اردگرد کے صوبوں سے غلام، اون اور مچھلی حاصل کی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ تعیش کے سامان کی بھی تجارت ہوتی تھی۔ حکمران مفتوحہ علاقوں سے خراج کی صورت میں یہ چیزیں حاصل کرتے تھے۔ اس زمانے میں تجارت، رہزنی، غارت گری اور لوٹ مار میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔

غلام داری سماج کے عہد میں زر محض اشیائے صرف کی خرید و فروخت کا ذریعہ نہ تھا، سود کی صورت میں دوسروں کی محنت کو لوٹنے کا ذریعہ بھی بن گیا تھا۔ تاجر اور سودخوروں کے پاس تجارت اور سود سے بے پناہ دولت جمع ہوگئی۔ تاجروں نے اس سرمائے کو تجارت میں استعمال کیا۔ تاجر غلاموں، کسانوں اور صنعت کاروں کی محنت سے پیدا کی گئی اشیا کو اپنے سرمائے کی مدد سے لوٹتے تھے اور سودخور روپے اور آلاتِ پیداوار چھوٹے کسانوں، دست کاروں اور دوسرے ضرورت

مند افراد کو قرض دے کر سود لیتے تھے۔ سودخور آقاؤں کو بھی قرض دیتے تھے اور اس طرح اس لوٹ میں حصہ دار بن جاتے تھے جو غلام کے آقا غلاموں کی محنت کی کمائی کی کرتے تھے۔

غلام داری کے طریقہ پیداوار میں تضادات

انسان کی ترقی کی راہ پر غلامی ایک ضروری منزل تھی۔ اینگلز نے قاطع ڈوھرنگ میں لکھا ہے:

''غلاموں کے رواج کے بغیر یونان کی شہری ریاستیں قائم نہیں ہوسکتی تھیں اور یونان کا آرٹ اور سائنس وجود میں نہیں آسکتے تھے۔ غلاموں کے بغیر رومتہ الکبریٰ کی سلطنت وجود میں نہ آسکتی تھی اور ان دونوں کے بغیر جدید یورپ وجود میں نہ آسکتا تھا''۔

غلاموں کی ہڈیوں پر وہ کلچر پیدا ہوا جو نبی نوعِ انسان کی مزید ترقی کی بنیاد بنا۔ علم کی کئی شاخوں، ریاضی، فلکیات اور فن تعمیر نے اس عہد میں خاصی ترقی کی۔ ادب، سنگ تراشی اور فن تعمیر کے بہت بڑے نمونے اس عہد کے طفیل ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ انسانی تہذیب کا انمول خزانہ ہیں۔

غلام داری سماج کے اندر وہ تضادات موجود تھے جو اس کی تباہی کا سبب بنے۔ اس سماج میں پیداواری قوت غلام تھے اور ان کا اس قدر استحصال ہوتا کہ اس کے سبب وہ زیادہ عمر نہیں پاتے تھے۔ اس استحصال کے خلاف غلاموں نے مسلح بغاوتیں کیں جو اس کی تباہی کا موجب ثابت ہوئیں۔ اس نظام کو زندہ رکھنے کے لیے غلاموں کا حصول ضروری تھا۔ یہ بڑی تعداد میں صرف جنگ سے ہی حاصل ہوتے تھے۔ چھوٹے خود کاشت کسان اور دستکار اس سماج کی فوجی قوت کی بنیاد تھے۔ وہ فوج میں بھرتی ہوتے تھے اور جنگوں کو جاری رکھنے کے ٹیکسوں کا بوجھ اٹھاتے تھے۔ کسانوں اور دستکاروں کو ایک طرف غلاموں کی محنت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو بڑے بڑے قطعات اراضی اور بڑی بڑی ورکشاپوں میں کام کرتے تھے اور دوسری طرف ٹیکسوں کا ناقابلِ برداشت بوجھ بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالکان اور چھوٹے چھوٹے قطعوں کے کاشتکار کسانوں کا تضاد شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ خود کاشت کسان مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور اس طرح اس دوہرے بوجھ کے نیچے وہ پس گئے۔ اس سے صرف یہ نہیں ہوا کہ غلام داری سماج کی معیشت کو اس

سے نقصان پہنچا بلکہ غلاموں کی بنیاد پر قائم تمام سلطنتوں بالخصوص رومتہ الکبریٰ کی سلطنت کو فوجی اور سیاسی طور پر بھی نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ان طبقوں کے کمزور پڑنے سے جنگی فتوحات کا زمانہ ختم ہوگیا اور جنگوں میں شکستیں ہونے لگیں اور فتوحات کی جگہ دفاعی جنگوں نے لے لی۔فتوحات کے بند ہونے سے غلاموں کی فراہمی بند ہوگئی اور پیداوار میں انحطاط آ گیا۔رومتہ الکبریٰ کی آخری دو صدیو ں میں پیداوار کا زوال انتہا کو پہنچ گیا۔اس سے تجارت کو دھچکا لگا۔وہ زمینیں جو پہلے سونا اگلتی تھیں، غلاموں کی فراہمی نہ ہونے سے برباد ہوگئیں۔دستکاری تباہ ہوگئی۔شہر اجڑ گئے۔غلاموں کی محنت کی بنیاد پر جو پیداواری رشتے قائم ہوئے تھے، وہ سماج کی پیداواری قوتوں کی نشوونما کے لیے بیڑیاں بن گئے۔غلاموں کو پیداوار میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔اس بات کی تاریخی ضرورت پیدا ہوئی کہ غلام داری کے پیداواری رشتوں کی جگہ دوسرے دوسرے پیداواری رشتے قائم ہوں تا کہ سماج کی پیداواری قوتوں کی نشوونما کے راستے کی رکاوٹیں دور ہوں۔سماج میں معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ پیداواری قوتو ں اور پیداواری رشتوں میں ہم آہنگی اور مطابقت ہو۔اس قانون کا تقاضا تھا کہ غلاموں کی جگہ ایسے کا م کرنے والے انسان لیں جو پیداواری عمل میں کسی حد تک دلچسپی رکھتے ہوں۔

غلاموں کی پیداوار میں عدم دلچسپی کی وجہ سے کثیر تعداد میں غلام رکھنے والے آقاؤں کے لیے اتنی بڑی تعداد میں غلام رکھنا منفعت بخش نہیں رہا اور انہوں نے ایسے غلاموں کے گروہوں کو آزاد کرنا شروع کر دیا جو ان کے لیے آمدنی کا ذریعہ نہیں تھے۔انہوں نے اپنے وسیع قطعات اراضی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیے اور یہ ٹکڑے یا تو ان غلاموں کو چند شرائط پر کاشت کے لیے دے دیے جنہیں انہوں نے آزاد کیا تھا یا ان آزاد شہریوں کو مزارعت پر دے دیے جو اپنے خود کاشت رقبے چھن جانے کی وجہ سے بے کار ہو گئے تھے۔یہ نئے کاشتکار زمین سے باندھ دیے گئے تھے اور وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے تھے۔زیر کاشت اراضی کسی دوسرے کے پاس بک جانے سے یہ بھی بک جاتے تھے لیکن وہ پہلے سے غلام نہیں تھے۔انہیں چوں کہ پیداوار کا ایک حصہ ملنے لگا تھا، اس لیے پیداوار میں دلچسپی غلاموں کی نسبت زیادہ تھی۔اس عمل سے غلام داری سماج کے بطن میں جاگیری طریق پیداوار کے عناصر پیدا ہو گئے اور غلام کی جگہ ''سرف'' (رعیتی غلام) غلام نے لے لی۔

غلام داری نظام میں طبقاتی کشمکش

غلاموں کی بغاوتیں اور غلام داری سماج کا خاتمہ

قدیم ایشیا، یونان اور رومہ کی غلام داری سماج کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ غلام داری سماج کی معاشی نشوونما کے ساتھ طبقاتی کش مکش بڑھی جو غلاموں اور آقاؤں کے درمیان تصادم کی شکل اختیار کر گئی۔غلاموں کی بغاوتیں پھوٹ نکلیں اور غلاموں نے غلام داری سماج کے دستوں کے ساتھ مسلح بغاوت کا آغاز کیا۔

اس سماج میں دوسرا تضاد چھوٹے قطعات کے خود کاشت کسانوں اور بڑے مالکان کے مابین تھا جو غلاموں سے کاشت کراتے تھے۔اس تضاد نے اس سماج میں آزاد کسانوں اور دستکاروں کی جمہوری تحریک کو جنم دیا، جس کا مقصد قرضوں کا خاتمہ، زمین کی ازِسرنو تقسیم اور آقاؤں کے ہا تھوں سے اقتدار عوام (آزاد کسانوں اور دستکاروں) کو منتقل کرنا تھا۔

رومتہ الکبریٰ کی سلطنت میں غلاموں کی بہت بغاوتیں ہوئیں جن میں سب سے بغاوت 84 قبل مسیح میں شروع ہوئی اور تین سال تک جاری رہی۔اس بغاوت کا لیڈر ''سپارٹیکس'' تھا۔اس کا نام غلاموں کی جدوجہد کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔غلاموں کی بغاوت میں غریب خود کاشت کسانوں نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا۔آقاؤں نے یہ بغاوتیں ہر بار بہیمانہ طریقوں سے دبا دیں۔

****

غلاموں کی بغاوتوں نے عظیم رومتہ الکبریٰ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور اس سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔اندر سے غلاموں کی بغاوتیں اس پر کاری ضربیں لگا رہی تھیں اور باہر سے بیرونی حملہ آوروں نے اس پر ضربیں لگانا شروع کر دیں جس کے نتیجے میں یہ عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

رومتہ الکبریٰ کے زوال سے تقریباً ہر جگہ غلام داری کے سماج کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ جاگیرداری نظامِ پیداوار نے لے لی۔

غلام داری سماج کا خاتمہ

غلام داری سماج کے عہد کے معاشی نظریات اس زمانے کے شاعروں، مؤرخوں اور سیاست دانوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک غلام کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ انہیں اپنے آقا کا ایک آلہِ پیداوار تصور کیا جاتا تھا۔ اس سماج میں محنت کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ محنت آزاد لوگوں اور آقاؤں کا کام نہیں تھا بلکہ صرف غلاموں کا کام تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کریں۔

جو غلام اپنے آقا سے بھاگے، اس کی سزا موت تھی۔ جو خود کاشت کسان قرضہ ادا نہ کر سکے یا لگان نہ دے تو اُسے اس کے عوض اپنی بیوی، بیٹے یا بیٹی کو غلام کے طور پر قرض خواہ یا زمین کے مالک کو دینا پڑتا تھا۔ ہندوستان میں ''منو'' نے غلاموں کے بارے میں جو قوانین وضع کیے تھے، ان میں غلام جائیداد نہیں رکھ سکتا تھا اور غلام کے بھاگنے کی سزا موت تھی۔

حکمرانوں کے طبقوں کے نظریات ہی اُس عہد کے مذاہب کی بنیاد ہیں۔ ہندوستان میں بدھ مت نے جس کو چھٹی صدی قبل مسیح میں فروغ ہوا تھا، یہ اصول بنائے تھے کہ تشدد کا مقابلہ نہ کیا جائے، حاکموں کی فرماں برداری کی جائے۔ اس مذہب میں انکساری کو بلند مرتبہ دیا گیا تھا۔ بدھ مت اس عہد کے غلاموں کے آقاؤں کا مذہب تھا۔ جنہوں نے اُسے غلاموں پر اپنے غلبے کو قائم رکھنے اور مضبوط کے لیے استعمال کیا۔

یونان کا مشہور فلاسفر افلاطون جو پانچویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اس نے ''یوٹوپیا'' نام کی ایک کتاب تحریر کی اور اس میں ایک خیالی سماج کی تصویر کشی کی۔ اس کا یہ مثالی اور خیالی سماج غلامی کے سماج کے سوائے کچھ اور نہیں تھا۔ اس کے نزدیک غلاموں، کسانوں اور دست کاروں کا کام حاکموں، جنگی جرنیلوں اور دانش وروں کے لیے ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا تھا۔ اسی طرح ارسطو جو چوتھی صدی قبل مسیح کا مفکر ہے، اس کے نزدیک بھی سماج کے لیے غلامی ناگزیر تھی۔ ارسطو کے خیالات نے اپنے زمانے اور قرونِ وسطیٰ میں نظر و فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ ارسطو اپنے خیالات کے لحاظ سے اپنے زمانے کے دوسرے مفکروں سے بلند تھا لیکن جہاں تک غلامی کا تعلق ہے، وہ اپنے عہد

کے ان نظریات سے بلند نہ ہو سکا جو غلامی کے بارے میں اس وقت رائج تھے۔ اس کے نزدیک غلام قدرت کا عطیہ تھا۔ اس کی رائے میں قدرت کا یہ تقاضا تھا کہ کچھ انسان غلام بن کر کام کریں اور کچھ ان پر حکومت کریں۔ غلاموں کی محنت اس لیے بھی ضروری تھی کہ آزاد انسان اپنی ذات کی تکمیل کر سکیں۔ وہ تجارت کے حق میں تھا لیکن منافع خوری اور سود خوری کے خلاف تھا کیوں کہ اس کے نزدیک اس سے دولت کی حرص بڑھتی تھی۔

اہلِ روما کے نزدیک غلام پیداوار کا محض ایک آلہ تھا۔ پلوٹارک نے جو کہ رومیوں کا مشہور مؤرخ ہو گزرا ہے، غلاموں کے ایک آقا ''کاٹو'' کے حوالے سے بتایا کہ غلام خریدتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ چھوٹی عمر کے ہوں کیوں کہ چھوٹی عمر کے غلاموں کو مویشیوں کی طرح سکھایا اور سدھایا جا سکتا ہے۔ اور غلاموں کو اپنے تابع فرمان رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں پھوٹ ڈالی جائے۔

روما کی سلطنت کے زوال کے عہد میں شہروں اور دیہات میں غلاموں، دستکاروں اور بیکار کسانوں کی کثیر آبادی جمع ہو گئی تھی، جن کا اس عہد کے پیداواری رشتوں پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا اور وہ غلامی کے سماج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی بغاوتوں سے غلامی کے سماج کے نظریات میں ایک بحران آ گیا۔ ان کی طبقاتی کشمکش نے ایک نئے مذہبی نظریے کو جنم دیا۔ یہ نیا مذہب عیسائیت تھا۔ یہ دراصل غلاموں، تباہ حال دستکاروں' اور چھوٹے کسانوں کی اپنی تباہی اور غلامی کے نظام کے جبر و ظلم کے خلاف صدائے احتجاج تھی۔ عیسائیت میں حکمران طبقے کی ضروریات کا اظہار بھی تھا۔ اس نے امرا اور آقاؤں کو خبردار کیا کہ وہ ظلم سے باز آ جائیں، انکساری اختیار کریں اور اپنی نجات کی فکر کریں اور عذابِ قبر سے بچیں۔ حکمران طبقہ نے عیسائیت کو قبول کر لیا اور عیسائی مذہب کے نظریات کو اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرنے لگے اور دبے اور کچلے ہوئے مظلوم عوام کو دوسری دنیا میں انعام و اکرام کا لالچ دے کر انھیں اپنی قسمت پر قانع رہنے کی تلقین کرنے لگے اور مذہب کی تعلیم سے اپنی لوٹ کا جواز اُن کے سامنے پیش کرنے لگے تا کہ وہ صبر و شکر سے ان کی لوٹ کو برداشت کرتے رہیں۔

خلاصہ

1۔ غلام داری سماج کا طریقِ پیداوار سماج کی پیداواری قوتوں کی ترقی اور زائد پیداوار کے وجود میں آنے اور ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت بننے سے پیدا ہوا جس میں ذرائع پیداوار کے مالک زائد پیداوار کو اپنے تصرف میں لانے لگے۔ غلامی، استحصال کی سب سے پہلی اور بھدی صورت ہے، جس میں انسان نے انسان کا استحصال کرنا شروع کیا۔

2۔ چوں کہ غلامی کے سماج میں طبقات پیدا ہو گئے تھے۔ ان طبقات کے پیدا ہونے سے ریاست پیدا ہو گئی۔ چوں کہ طبقات کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ ان متحارب طبقوں کی کشمکش نے ریاست کے وجود میں آنے کو ناگزیر بنا دیا تا کہ لوٹے جانے والے طبقوں کو لوٹنے والے طبقوں کی خاطر دبایا جا سکے۔

3۔ غلام داری سماج کا معاشی نظام فطری تھا اور اس میں پیداوار مقامی استعمال کے لیے ہوتی تھی۔ جہاں تک تجارت کا تعلق تھا وہ صرف غلاموں اور تعیش کے سامان کی ہوتی تھی۔ اس عہد میں تجارت کے فروغ کے سبب سکہ کا رواج بھی شروع ہوا۔

4۔ غلام داری سماج کے طریقِ پیداوار کا بنیادی معاشی قانون یہ تھا کہ زائد پیداوار جو آقا غلاموں کی بے تحاشا لوٹ سے حاصل کرتے تھے، ان کی ضروریات کو پورا کرتی تھی۔ آقا ذرائع پیداوار اور غلاموں کے مالک تھے۔ اس معیشت میں خود کاشت کسان اور دستکار تباہ ہوئے اور آقاؤں کے غلام بنے۔ غلام حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ جنگیں تھیں۔ جنگی قیدی بھی غلام بنائے جاتے تھے۔ اور مفتوح علاقے کے لوگ بھی۔

5۔ غلامی کی بنیاد پر آرٹ، فلسفے اور سائنس کے علوم میں ترقی ہوئی۔ لیکن اس ترقی کا فائدہ غلاموں کے آقاؤں کو ہی پہنچا۔ اس سماج میں لوگوں کا سماجی شعور، طریقِ پیداوار اور پیداواری رشتوں کے مطابق تھا۔ حکمران طبقے اور دانش ور، غلاموں کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔ چوں کہ محنت و مشقت صرف غلام کرتے تھے، اس لیے محنت اور مشقت کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ جو کہ کسی آزاد انسان کے شایانِ شان نہیں تھی۔

6۔ ابتدائی سماج کی نسبت غلامی کے سماج میں پیداواری قوتوں کو ترقی ہوئی۔ اس نظام میں چوں کہ غلاموں کو پیداوار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے غلام داری کے سماج کی افادیت ختم ہو گئی۔ غلاموں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا جس سے سماج کی بنیادی قوت یعنی غلام، محنت کی سختی اور فاقوں کے سبب جلد مر جاتے تھے۔ چھوٹے کسان اور دستکار اس سماج میں نہ پنپ سکے۔ یہ اسباب غلام داری سماج کی تباہی کا باعث بنے۔

7۔ غلاموں کی بغاوتوں نے غلام داری سماج کی بنیادیں ہلا دیں اور اس کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا۔ غلام داری طریقِ پیداوار کی جگہ جاگیرداری طریقِ پیداوار نے لے لی۔ غلامی کا استحصال ختم ہوا اور اس کی جگہ جاگیری استحصال قائم ہوا۔ جاگیرداری نظامِ پیداوار کے قائم ہونے سے سماج کی پیداواری قوتوں کی مزید ترقی کے امکانات پیدا ہوئے۔

جاگیرداری عہد کا طریقِ پیداوار

جاگیرداری نظام کا آغاز

جاگیرداری نظام دنیا کے تمام ملکوں میں یکے بعد دیگرے قائم ہوا۔ اگرچہ بعض ملکوں میں اس کی مختلف صورتیں وجود میں آئیں۔ جاگیرداری عہد کی مدت کافی طویل رہی ہے۔ چین میں یہ نظام کم وبیش دو ہزار سال قائم رہا۔ مغربی یورپ میں رومی سلطنت کے خاتمے سے پانچویں صدی میں اس نظام کا آغاز ہوا اور انگلستان میں سترہویں صدی کے بورژوا (سرمایہ دارانہ) انقلاب تک اور فرانس میں اٹھارویں صدی کے بورژوا (سرمایہ دارانہ) انقلاب تک قائم رہا۔ روس میں یہ نظام نویں صدی میں قائم ہوا، اور 1861 میں زرعی اصلاحات کے ذریعہ اپنے انجام کو پہنچا۔ وسط ایشیا میں اس نظام کا آغاز ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا اور (روس) کے اکتوبر انقلاب تک برابر قائم رہا۔

جس وقت رومن ایمپائر کے عہد اور غلام داری سماج اور جنگ جو قبائل کی مار دھاڑ اور خانہ بدوشی کا خاتمہ ہوا تب غلام داری اور قبائلی سماجوں کے کھنڈرات پر مغربی یورپ میں جاگیرداری سماج قائم ہوا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، جاگیرداری نظام کی ابتداء غلام داری سماج کے عہد میں ہی ہو چکی تھی۔ غلام کی جگہ رعیتی غلام (سرف) نے لے لی تھی جو بڑے بڑے قطعاتِ اراضی کے مالکوں کی زمین نقد یا جنس کی بٹائی کے عوض کاشت بھی کرتا تھا اور مالکوں کے بہت سے کام بھی

بطور بے گار انجام دینے کا پابند تھا۔ غلام اور رعیتی غلام میں فرق یہ تھا کہ رعیتی غلام اپنی محنت سے پیدا کی ہوئی جنس کا ایک حصہ اپنے کام میں لا سکتا تھا اور غلام کی طرح نہ تھا اور غلام کی طرح نہ تھا جس کی محنت کی پیداوار تمام تر مالکوں کی ہوتی تھی۔ اس طرح نئے پیداواری رشتوں نے جنم لیا اور ان کی پوری نشو ونما جاگیرداری عہد میں ہوئی۔

جرمن گال اور سلاو قبائلی جو یورپ کے مختلف حصوں میں رہتے تھے، ان کے حملوں نے رومن ایمپائر کو ختم کر ڈالا۔ جس سے غلاموں کے آقاؤں کا سیاسی اقتدار اور غلام داری سماج کا عہد بھی ختم ہو گیا۔ وہ ورکشاپیں جن میں غلام دستکاروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے' اور بڑے بڑے قطعات زمین جن پر بطور کسان وہ کاشت کرتے تھے، غلام داری نظام کے خاتمے سے تباہ اور بنجر ہو گئے۔ سلطنت رومہ کے آقاؤں نے غلاموں کو آزاد کر دیا جو نئے نظام میں رعیتی غلاموں، چھوٹے کاشت کاروں اور دستکاروں کی صورت میں نمودار ہوئے۔

جنگ جو قبائل کا قبائلی نظام بھی اُس وقت تک زوال پذیر ہو چکا تھا۔ دیہی خود کفیل نظام جس پر قبائلی نظام قائم ہوا تھا، زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔ اس نظام میں زمین مشترکہ ملکیت تھی اور چراگاہیں جوہڑ اور تالاب بھی مشترکہ ملکیت تھے۔ چند سالوں کے بعد مزارعہ رقبے کی تقسیم از سرِ نو عمل میں لائی جاتی تھی۔ اس نظام میں بتدریج تبدیلیاں شروع ہوئیں۔ پہلے آبادی کے ساتھ رقبے کو الگ الگ خاندانوں کی ملکیت میں دیا گیا۔ زمین کی تقسیم اور تنازعات کا تصفیہ اجلاس عام میں ہوتا تھا، جس میں منصف اور مکھیا منتخب کیے جاتے تھے۔ جنگ جو قبائل کے سربراہ فوجی سربراہ ہوتے تھے اور ان کے فوجی دستوں کے لیے کافی بڑے قطعات اراضی ان کے قبضے میں رکھے جاتے تھے۔ رومن ایمپائر کے خاتمے کے ساتھ ان قبائل نے سرکاری زمینوں اور بڑے بڑے مالکوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ جنگلات اور چراگاہوں کو مشترکہ رکھا اور مزارعہ رقبے چھوٹے قطعات کی صورت میں تقسیم کر دیے۔ اور کچھ عرصے بعد ان چھوٹے قطعات کے کاشت کرنے والے مالک بن گئے۔ اس طرح چھوٹے مالک کسانوں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا۔ یہ چھوٹے کسان زیادہ دیر اپنی آزادی کو قائم نہ رکھ سکے۔ زمین اور آلاتِ پیداوار کی نجی ملکیت کے سبب دیہی آبادی کے مختلف

افراد میں معاشی اونچ نیچ اور عدم توازن کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ دیہی آبادی اور کسانوں میں خوش حال اور غریب خاندان رونما ہوئے اور جوں جوں یہ تفاوت بڑھی امیر اور خوش حال گھرانوں کا دیہی آبادی میں استبداد اور اقتدار بڑھتا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی زمینیں امیر خاندانوں، سرداروں اور جنگی سرداروں کے ہاتھوں میں جمع ہوتی چلی گئیں اور چھوٹے کسان ان مالکوں کے محتاج اور دستِ نگر ہوتے چلے گئے۔

بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالکوں نے محتاج کسانوں اور چھوٹے کسانوں پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے لیے ریاست کے اداروں کو مضبوط کیا۔ فوجی سرداروں نے اشرافیہ، بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالکوں، اور اپنے فوجی دستوں کی مدد سے طاقت اپنے ہاتھ میں لے لی، اور بادشاہ بن بیٹھے۔ چنانچہ اس طرح بادشاہت کا آغاز ہوا۔

سلطنتِ روما کے کھنڈرات پر نئی ریاستیں ابھریں جن کے حکمران بادشاہ تھے۔ بادشاہ علاقوں کو فتح کرتے، ان کی زمینیں بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے نائبوں، امرا، اور فوجی سرداروں کو تاحیات بخش دیتے اور یہ لوگ اس کے عوض فوجی خدمات سرانجام دیتے۔

چرچ (یعنی مذہبی مقتدرہ) جو باشاہوں کی حکمرانی کی سب سے بڑی حمایت کا ذریعہ تھے، زیادہ زمینیں پاتے تھے۔ ان زمینوں کو کسان کاشت کرتے تھے اور اپنے ان مذہبی آقاؤں کی بہت سی خدمات انجام دیتے تھے۔ بادشاہوں کی داد و دہش سے خواص، ملازم، اہلکاروں اور راہب خانوں کی تحویل میں اراضی کے بڑے بڑے قطعات پہنچ گئے۔ بادشاہ کی فوجی اور دوسری خدمات کے عوض زمینوں کی یہ تقسیم اراضی، فیف (جاگیر) کہلاتی تھی جس کے سبب یہ نظام فیوڈل کہلایا اور اس معاشی نظام سے جو سماجی نظام ابھرا وہ فیوڈل ازم (جاگیرداری) کے نام سے موسوم ہوا۔

چھوٹے کسانوں کی ملکیت ختم ہونے اور جاگیرداروں کی ملکیت کے قائم ہونے کا عمل یورپ میں بتدریج ہوا اور یہ تبدیلی پانچویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی تک مکمل ہوئی۔ آزاد چھوٹے کسان فوجی خدمت، ٹیکسوں اور جبری استحصال سے تباہ ہو گئے۔ جب کبھی انہیں ان مشکلات کا سامنا ہوتا وہ بڑے مالکوں کے پاس جاتے اور ان کے محتاج بن جاتے تھے۔ چوں کہ اس

عہد میں جنگ و جدل، لوٹ مار اور غارت گری جاری رہتی تھی، غیر مسلح انسانوں کی زندگی دشوار تھی۔ اس لیے یہ چھوٹے کسان مسلح بڑوں کی پناہ لینے کے لیے مجبور تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زمینوں کے مالک جاگیردار بن بیٹھے اور اپنے تحفظ کی خاطر ان کی ہر طرح کی خدمات کرنے کے وہ پابند ہو گئے۔ بادشاہوں اور اہلکاروں نے یہ بھی کیا کہ زبردستی یا فریب سے چھوٹے کسانوں کی زمینیں ہتھیا لیں۔

یہ عمل مختلف ممالک میں مختلف طریقوں سے ہوا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آزاد چھوٹے کسان جن کی زمینوں پر فیوڈل لارڈوں نے قبضہ کر لیا اور ان کے وہ دستِ نگر اور پابند ہو گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، رعیتی غلاموں اور آزاد کسانوں کے درمیان جو فرق تھا، معدوم ہوتا چلا گیا۔ وہ سب کے سب رعیتی غلام بن گئے اور تمام زمینیں جاگیرداروں کے قبضے میں چلی گئیں۔ کوئی زمین ایسی نہ رہی جو جاگیرداروں کی نہ ہو اور باشاہوں کی حیثیت ان کے اوپر زمین کے مالک اعلیٰ کی بن گئی۔ سماج کے تاریخی ارتقا میں جاگیرداری نظام ایک ضروری منزل تھی۔ غلامی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ پیداواری قوتوں کی نشو و نما اس صورت میں ممکن تھی کہ چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی پر رعیتی غلام کاشت کریں۔ آلاتِ پیداوار ان کے ہوں اور اپنی محنت کا پھل پیداواری جنس کے صلے کی صورت میں انہیں ملے۔

انسانی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ انسانوں کے لیے سماجی ترقی کی تمام منزلوں سے گزرنا ضروری نہیں ہے۔ ایسے حالات بھی رونما ہو سکتے ہیں کہ انسان ترقی کی ایک خاص منزل سے گزرے بغیر ترقی کی بلند منزل تک پہنچ جائیں۔ روس میں ابتدائی قبائلی نظام ختم ہو کر غلام داری سماج کا آغاز ہو لیکن غلام داری سماج نشو و نما پائے بغیر جاگیرداری نظام کی صورت اختیار کر گیا۔ اس تبدیلی کا عمل روس میں اس وقت ہوا جب کہ مغربی یورپ میں غلام داری سماج کو ختم ہوئے دیر ہو چکی تھی اور جاگیرداری سماج اس کی جگہ قائم ہو چکا تھا۔ چرچ بڑے جاگیردار کی صورت میں رونما ہوا۔ بادشاہوں سے زمینوں کے عطیات اسے ملے اور لوگوں نے اسے زمینیں بطور وقف بھی دیں۔ اس عہد میں زرخیز ترین زمینیں کلیسا کی ملکیت تھیں۔

جاگیرداری عہد میں معاشی نظام میں زراعت کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس لیے

پیدا کرنے کے طریقوں میں ترقیاں ہوئیں، ثمر دار درخت لگائے گئے، انگور کی کاشت زیادہ ہونے لگی۔ مکھن بنایا جانے لگا۔ جاگیرداری سماج کی ابتدا میں آلات زراعت دقیانوسی تھے۔ لکڑی کا ہل جس کے آگے لوہے کا پھالا تھا اور درانتی وکسی آلات کے طور پر استعمال کیے جاتے تھے۔ بعد میں لوہے کا ہل اور دوسرے آلاتِ کاشت کاری بھی لوہے کے بن گئے۔ آٹا ہاتھ کی چکی سے پستا تھا۔ بعدازاں پن چکی اور ہوا کی چکیاں بن گئیں اور ان کے ذریعہ آٹا پیسا جانے لگا۔ اس طرح سماج بتدریج ترقی کرتا گیا۔

جاگیرداری سماج کے پیداواری رشتے

جاگیرداروں کے ہاتھوں کسانوں کا استحصال

اس عہد میں زمین جاگیرداروں کی جائیداد بن گئی تھی اور رعیتی غلام بھی ان کے زیر اقتدار تھے۔ جاگیرداری سماج کے پیداواری رشتے اسی بنیاد پر قائم تھے۔ رعیتی غلام بے شک پہلے جیسا غلام نہیں رہا تھا۔ وہ ایک قطعہِ زمین کو لگان معینہ کے بالعوض (خواہ وہ جنس کی صورت تھی یا نقد) جو جاگیر دار کو دیتا تھا، کاشت کرتا تھا۔ غلام داری سماج کے مالک کی طرح جاگیردار مالک کو اس کی جان لینے کا اختیار نہیں تھا۔ لیکن وہ اُسے زمین کے ساتھ فروخت کرسکتا تھا۔ اس سماج میں جاگیرداروں اور رعیتی غلاموں کے علاوہ، ایسے کسان بھی تھے جو چھوٹے قطعات اراضی کے مالک تھے جن کو وہ خود کاشت کرتے تھے۔ ایسے دستکار بھی تھے جو آلاتِ پیداوار کے مالک تھے جن کی مدد سے وہ پیداوار کا عمل جاری کرتے تھے۔ چھوٹے کسان اور یہ دستکار جو کچھ پیدا کرتے تھے، وہ انہی کا ہوتا تھا۔

جاگیردار بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالک تھے۔ اس لیے وہ کسانوں کا استحصال کرنے پر قادر تھے۔ ہر جاگیردار اپنی زمین میں سے کچھ رقبہ خود کاشت کے لیے رکھتا تھا۔ باقی زمین چھوٹے چھوٹے قطعات بنا کر کسانوں کو تقسیم کرتے ہوئے سخت شرائط پر انہیں دے دیتا تھا۔ یہ چھوٹے قطعات اراضی جاگیرداروں کے لیے قوتِ محنت مہیا کرنے کا ذریعہ تھے۔ کسان ان قطعات کو نسل در نسل کاشت کرتے تھے۔ جاگیرداروں کو بٹائی جنس یا نقد لگان کی صورت میں دیتے تھے۔

اس معاشی نظام میں کسانوں کا جاگیردار کا محتاج ہوکر رہنا ناگزیر تھا۔ رعیتی غلام کے کام کے اوقات ضروری اور زائد اوقات کی صورت منقسم تھے۔ ضروری اوقات میں وہ اپنے لیے اور اپنے کنبے کے لیے اشیائے ضرورت پیدا کرتا تھا تاکہ وہ اپنے کنبے کو زندہ رکھ سکے اور زائد وقت میں وہ پیداوار کرتا تھا جسے جاگیردار ہتھیا لیتا تھا۔

کسان کی اس زائد محنت کا جو وہ جاگیردار کی زمین کاشت کرنے میں صرف کرتا تھا، کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ اس کی کاشتہ زمین میں سے پیدا کی ہوئی اجناس کا وہ حصہ جو جاگیردار بٹائی یا نقد کی صورت میں لیتا تھا، جاگیردار کا لگان یا زمین کا کرایہ تھا۔ جاگیرداری لگان کسانوں کی زائد قوت محنت کو ہی نہیں نگل جاتا تھا، اس کی قوتِ محنت کی پیداوار کے حصے کو بھی ہضم کر لیتا تھا جو اس کی ضروری قوتِ محنت سے حاصل ہوتی تھی۔

جاگیرداری، لگان کی بنیاد

ایک طرف زمین جاگیرداروں کی تھی تو دوسری طرف جاگیرداروں کو کسانوں پر سیاسی اور سماجی بالادستی بھی حاصل تھی۔ جاگیرداری عہد میں لگان کی تین صورتیں تھی: نقد لگان، بٹائی کی صورت میں لگان، اور قوتِ محنت (بیگار) کی صورت میں لگان۔ لگان کی یہ تینوں قسمیں جاگیری استحصال کی کھلی صورتیں تھیں۔ جاگیرداری عہد کے آغاز میں لگان کی غالب صورت بیگار تھی۔ کسان ہفتے میں چند دن اپنے بیلوں اور ہلوں سے اپنے جاگیردار کی زمین پر بلا معاوضہ کاشت کرتے تھے۔ فصل کاشت کرنا، اس کا کاٹنا اور اٹھانا' جاگیردار کے مویشیوں کی دیکھ بھال کرنا، لکڑیاں کاٹنا' اجناس کو کھلیانوں سے گوداموں میں پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی۔ اس طرح ان کی محنت کی یہ دو واضح صورتیں تھیں۔ زائد قوتِ محنت جو وہ بیگار کی صورت میں جاگیردار کو دیتا تھا اور ضروری قوتِ محنت جس سے وہ اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کرتا تھا۔

کسان جو قوت محنت بیگار کی صورت جاگیردار کی زمین پر صرف کرتے، اس مدت میں انہیں پیداوار بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے جاگیردار اُن سے کام لینے کے لیے

ملازم رکھتے تھے، جن کا کام کسانوں کے کام کی نگرانی تھا۔ جاگیرداری عہد کی نشوونما کے ساتھ بٹائی نے بیگار کی جگہ لے لی اور کسان جاگیردار کو اپنے زرعی پیداوار اور مرغیوں، گائیوں، بکریوں کا مقررہ حصہ ادا کرنے لگے۔ لیکن بیگار مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی بلکہ بٹائی کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں باقی رہتی رہی۔ اب کسان اپنا سارا وقت اور اپنی ساری قوتِ محنت اپنی اراضی پر صرف کرنے لگا۔ اس صورت حال نے اب کسان کو پہلے سے زیادہ آزاد کر دیا اور پیداوار میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی، جس سے طریق پیداوار اور آلاتِ پیداوار کو ترقی ملی۔ جاگیرداری عہد کے اختتام کے قریب جب تجارت ترقی کر گئی تھی تو بٹائی کی جگہ نقد لگان نے لے لی تھی۔ جاگیرداری سماج میں نقد لگان کا رواج اُس وقت سے شروع ہوا جب جاگیرداری پیداواری رشتے ٹوٹنے لگے اور سرمایہ دارانہ پیداواری رشتے ابھرنے لگے۔

لگان کے علاوہ کسانوں کو جاگیرداروں کو کئی قسم کے نذرانے اور ہرجانے دینے پڑتے تھے۔ سرکاری ٹیکس اور محصول ان کی ہی جیبوں سے جاتے تھے بلکہ پیروں، پروہتوں، کلیساؤں، خانقاہوں اور راہب خانوں کے اخراجات بھی وہی برداشت کرتے تھے۔ اصل میں جاگیرداری معاشی نظام خود کفیل تھا۔ اپنی نشوونما کی ابتدا میں جاگیرداراوراس کے لگے بندھوں کی تمام ضروریاتِ زندگی مقامی طور پر کسان اور دستکار پیدا کرتے تھے۔ اور کسان اپنی ضروریاتِ خوراک پوشاک وغیرہ خود ہی پیدا کرتے تھے۔ طویل عرصے تک زراعت معاشی نظام کی بنیاد تھی اور دستکاری کی حیثیت ثانوی تھی۔ کسان صرف لوہا اور نمک بنجاروں سے خریدتے تھے۔

اگر چہ جاگیرداری نظام کی تمام ملکوں میں یکساں صورت نہ تھی لیکن نمایاں خصوصیت کسانوں کا جاگیری استحصال تھا جو اس کی صورت میں موجود تھا۔ مشرقی ممالک میں جاگیرداری عہد میں غلام رکھنے کا رواج بدستور رہا۔ چین، جاپان اور ہندوستان میں جاگیردای رشتوں کے ساتھ ساتھ غلام داری سماج کے رشتے بھی قائم رہے۔ مشرقی ممالک میں اس کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہاں زمین بادشاہوں کی ملکیت تھی اور کئی ممالک میں کسان لگان براہِ راست بادشاہ کو ادا کرتے تھے۔ مشرقی ممالک میں اس کی تیسری نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ زمین پر قبائل کی مشترکہ

ملکیت تسلیم کی جاتی۔ ان ممالک میں چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ زمین کے علاوہ وسائلِ آب پاشی بھی بادشاہ کے انصرام میں ہوتے تھے۔ اس کی پانچویں خصوصیت یہ تھی کہ خانہ بدوش قبائل چراگاہوں کے مشترکہ مالک ہوتے تھے۔ اور سردار کے پاس جتنے بڑے ریوڑ ہوتے تھے، اتنی ہی چرگاہوں پر اس کی دسترس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے وہ کسانوں اور چرواہوں کا بے تحاشا استحصال کرتا تھا۔

جاگیرداری معاشی نظام کا بنیادی قانون یہ تھا کہ جاگیردار زمین کے مالک ہوتے تھے۔ اس لیے وہ اپنی ضروریات کی تسکین اور عیش وعشرت کے لیے کسانوں سے ان کی قوتِ محنت سے پیدا کی ہوئی اشیا اجناس گائے بکری، بھیڑ، کپڑے جوتے ہتھیانے پر قادر تھے اور اُن کی زائد پیداوار اپنے مصرف میں لاتے تھے۔

جاگیرداری عہد میں شہروں اور تاجروں کی نشوونما

غلام داری سماج کے عہد میں ہی شہر وجود میں آچکے تھے۔ مثلاً روم، فلارنس، وینس، جنیوا، قسطنطنیہ، سکندریہ، پیرس، مارسیلز، لندن، سمرقند و بخارا اور کئی دوسرے شہر غلام داری سماج میں بن گئے تھے۔ جب غلام داری سماج کا خاتمہ ہوا تو اس کے ساتھ شہر ختم نہیں ہوئے۔ ان شہروں میں غلام دستکاروں کا طبقہ موجود رہا، جن کی غلامی ختم ہو گئی لیکن اُن کی ہنرمندی اور صلاحیت کار برقرار رہی۔

جاگیرداری کے عہد کے آغاز میں اور نئے شہر آہستہ آہستہ ابھرے۔ ان میں دستکاری کی رفتار بھی کچھ زیادہ تیز نہ تھی۔ شہروں میں بسنے والے دستکار ضرورت کی جو اشیا بناتے تھے، انہیں فروخت کر دیتے۔ لیکن اپنی ضرورت کی اشیا ان قطعات اراضی سے حاصل کرتے تھے جو ان کے پاس تھے۔ ان کی عورتیں گھروں میں سوت کات کر اپنی ضروریات کا کپڑا تیار کر لیتی تھیں۔ اس لیے تجارت اور تجارتی منڈیاں مختصر اور محدود تھیں۔ کسانوں میں سے دیہات میں چند ایک نے کاشتکاری ترک کر کے حرفت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ محنت کی اس تقسیم کی وجہ سے ان کی ہنرمندی اور صلاحیت کار بڑھ گئی۔ ان دستکاروں نے جاگیرداروں کے محلات، راہب خانوں، خانقاہوں اور

شاہراہوں کے متصل رہائش اختیار کر لی۔ اس طرح نئے شہر آباد ہونے شروع ہوئے۔ یہ شہر چوں کہ جاگیردار کی زمینوں پر آباد ہوئے تھے، اس لیے جاگیردار طرح طرح کے محصول وصول کرتے تھے۔ اوران پر حکم چلاتے تھے۔ شہری آبادیوں نے کچھ مدت بعد جاگیرداروں سے آزادی حاصل کرنے کا آغاز کیا۔ بعض جگہ اپنی طاقت کے بل پر اور بعض جگہ روپے سے۔ انہوں نے شہروں کا نظم ونسق چلانا شروع کیا اور شہروں میں عدالتیں قائم کرنے، محصول وصول کرنے اور سکہ ڈھالنے کے حقوق حاصل کر لیے۔

شہروں کی آبادی زیادہ تر تاجروں اور دستکاروں پر مشتمل تھی اور شہر جاگیرداروں کے ظلم سے بھاگے ہوئے رعیتی غلاموں کی جائے پناہ بن گئے تھے۔ شہر آہستہ آہستہ تجارتی مال کے لین دین کا مرکز بن گئے۔ شہروں میں تاجر طبقہ سب سے زیادہ خوش حال اور امیر طبقہ تھا جو تجارتی مال کے لین دین سے صاحبِ اثر اور صاحبِ حیثیت بنتا گیا۔

اول اول غلام داری عہد کے شہروں نے ترقی کی اور جوں جوں تجارت میں وسعت ہوتی گئی، نئے نئے شہر آباد ہوتے گئے۔ شہروں کی ترقی اور پھیلاؤ کا اثر دیہات پر پڑنے لگا اور خود کفیل جاگیرداری معیشت شہروں سے وابستہ ہونے لگی۔

جاگیرداروں کو عیش وعشرت کا سامان خریدنے کے لیے جو وہ شہروں سے خرید سکتے تھے، روپے کی ضرورت پڑی۔ شہروں میں بننے والی اشیا وہ روپے ہی سے حاصل کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کسانوں سے جنس کی صورت میں بٹائی لینے کے بجائے نقد لگان وصول کرنا شروع کیا۔ نقد لگان کی وجہ سے جاگیرداری استحصال بہت بڑھ گیا۔ وہ کسانوں سے زیادہ سے زیادہ نقد لگان وصول کرنے کے لیے ان پر زیادہ سے زیادہ ظلم وجبر کرنے لگ گئے۔ دیہاتی اور شہری زندگی میں غلام داری سماج کے دور ہی میں تضاد پیدا ہو چکے تھے۔ اب ان تضادات میں اور بھی شدت پیدا ہوئی۔

جاگیرداری سماج میں تضادات

جاگیرداری سماج دو بنیادی طبقات، کسانوں اور جاگیرداروں میں منقسم تھا۔ لینن نے

اپنے مضمون ''ریاست'' میں لکھا ہے کہ ''جاگیرداری سماج میں آبادی کی اکثریت یعنی رعیتی غلام مٹھی بھر اقلیت یعنی جاگیردار طبقہ (جو زمینوں کا مالک تھا) کے محکوم تھے''۔

خود جاگیردار طبقہ بڑے اور چھوٹے جاگیرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ چھوٹے جاگیردار بڑے جاگیرداروں کو جو زیادہ طاقت ور تھے، خراج دیتے تھے، جنگ میں ان کی مدد کرتے تھے اور ان کی سرپرستی میں کسانوں کو لوٹتے تھے۔ جاگیرداروں سے اوپر اور بہت بڑے جاگیردار تھے اور ان سے اوپر بادشاہ تھا جو امرا کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔

جاگیردار طبقہ اس عہد میں حکمران طبقہ تھا اور ریاستی اقتدار اُس کے ہاتھ میں تھا۔ سماج میں یہ طبقہ بہت ذی اثر اور صاحبِ اختیار تھا۔ اس کو وسیع سیاسی اور معاشی حقوق حاصل تھے۔ کلیسا کے پاس بھی وسیع زمینیں تھیں اور کلیسا کے پادریوں کا بھی جاگیردار کے ساتھ حکمران طبقے میں شمار ہوتا تھا۔ کسان، جاگیرداروں کے ماتحت تھے اور سماج میں سب سے نچلا طبقہ وہی تھے۔ اُس عہد میں انہیں کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہ تھے، جاگیرداروں کو اپنے کسانوں اور رعیت کو فروخت کرنے کا اختیار تھا۔ کسانوں اور غلاموں میں فرق صرف اتنا تھا کہ کسان آلاتِ پیداوار کے کچھ حصے کا حق دار تھا۔ جاگیرداری سماج میں بنیادی تضاد کسانوں اور جاگیرداروں کے مابین تھا۔ تمام جاگیرداری عہد میں کسان جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے اور جاگیرداری عہد کے زوال کے وقت یہ جدوجہد شدید ہوگئی۔

شہروں میں اختیار تاجروں اور سودخوروں کے ہاتھ میں تھا۔ تاجروں اور دستکاروں کے درمیان تصادم ہوتے رہے اور دستکاروں نے کسی حد تک تاجروں سے حقوق حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ شہروں کے نچلے طبقوں اور دیہات کے کسانوں کی جدوجہد ایک زبردست تحریک بن گئی۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا جاگیرداری سماج میں مختلف جاگیرداروں کے درمیان بھی جھگڑے نمودار ہوئے اور مستقل جنگوں کی صورت اختیار کر گئے۔ اس عہد میں یہ جنگیں خانہ جنگیوں، طوائف الملوکی اور انتشار کی شکل اختیار کر گئیں۔

جاگیرداری سماج میں پیداواری قوتوں کی نشوونما

غلام داری سماج کی نسبت جاگیرداری سماج میں پیداواری قوتوں نے زیادہ ترقی کی اور وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ بلند تر سطح پر پہنچ گئیں۔ زراعت کے طریقہ پیداوار ترقی ہوئی اور لوہے کے نئے آلات کشاورزی استعمال کیے جانے لگے۔ نئی اجناس پیدا کی جانے لگیں۔ باغات لگائے جانے لگے۔ انگور سے شراب کشید کی جانے لگی۔

مویشوں میں گھوڑے پالنے پر زیادہ توجہ دی جانے لگی کیوں کہ جاگیرداروں کی فوجی خدمات کے لیے گھوڑوں کی ضرورت تھی۔ دودھ سے گھی اور مکھن بنایا جانے لگا اور وسیع قطعات اراضی پر بھیڑیں پالی جانے لگیں اور چراگاہوں کی دیکھ بھال شروع ہوگئی۔ جہاں تک دستکاری اور حرفت کا تعلق تھا، اس میں بھی ترقی ہوئی۔ لوہے کے زرہ بکتر تیار ہونے لگے اور زین سازی وجود میں آئی۔ دھات کے ظروف بنائے جانے لگے۔ سولہویں اور سترھویں صدی تک کپڑا بننے کے کام میں کافی ترقی ہوئی۔

جب لوہا ڈھالنے کے کام نے ترقی کی تو اس سے بہتر آلاتِ پیداوار بننے کے امکانات پیدا ہوئے۔ نالوں اور ندیوں پر پہیے لگائے جانے لگے اور پانی کی قوت سے لوہار کی دھونکی چلانے اور آٹا پیسنے کا کام لیا جانے لگا۔ جب بارود بننے لگا تو مختلف دھاتوں کو ڈھالنے اور ان سے جنگی ہتھیار بنائے جانے لگے۔ قطب نما ایجاد ہوا، جس سے سمندر کے سفر میں سہولت پیدا ہوئی اور انسان زیادہ دور تک سمندر میں پہنچنے لگے۔ اس عہد میں چھاپے خانے کی ایجاد خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ چینیوں نے قطب نما، بارود اور کاغذ سب پہلے ایجاد کیا۔ اور یہ ایجاد اس وقت ہوئیں جب یورپ ابھی ان کے نام تک سے آشنا نہ تھا۔

جاگیرداری عہد میں پیداواری قوتوں کی جو نشوونما ہوئی وہ چوں کہ جاگیرداری رشتوں میں مزید ترقی نہیں کر سکتی تھی، اس لیے جاگیرداری پیداواری رشتوں سے ان کا تصادم شروع ہوا۔ جاگیرداری استحصال کے باعث کسان جو جاگیرداری رشتوں میں بندھے ہوئے تھے، زرعی پیداوار میں مزید ترقی نہیں کر سکتے تھے۔ شہروں میں دستکار اس عہد کی بندشوں اور جکڑ بندیوں کے

سبب اپنے فن اور دستکاری کو مزید ترقی نہیں دے سکتے تھے۔ اس عہد میں حکمرانوں کی سخت گیری، روایات کی پابندی اور قدامت پرستی کی وجہ سے نشوونما کی رفتار بہت سست تھی۔ وہ پیداواری قوتیں جو جاگیرداری سماج کے بطن سے پیدا ہو چکی تھیں اور آگے بڑھنا چاہتی تھیں، ان کی نشوونما کا تقاضا تھا کہ جاگیرداری رشتے توڑ دیے جائیں اور نئے پیداواری رشتے قائم ہوں، جن کے اندر ان کی نشوونما جاری رہ سکے۔

جاگیرداری بطن سے سرمایہ داری کا جنم

تجارتی سرمایہ کا رول

جاگیرداری دور میں جنس کے تبادلے کی نشوونما بتدریج ہوتی رہی اور پیداوار خرید و فروخت کی جانے لگی۔ شہروں میں دستکاری کو وسعت ہوئی اور دیہات میں زرعی معیشت پر تجارت کا عمل دخل بڑھتا گیا۔ کسانوں اور دستکاروں کی پیداوار جو نجی ملکیت کی بنیاد پر کی جاتی تھی اور کسانوں، دستکاروں کی قوتِ محنت سے جو اشیا پیدا ہوتی تھیں، ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس لیے پیداوار کا یہ عمل جنسِ تجارت کی پیداوار کا عمل تھا۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جنس کا تبادلہ وہ پیداوار ہے جو خرید و فرخت کے لیے پیدا کی جاتی ہے۔ جنسِ تبادلہ کے پیدا کرنے والے ایک ہی قسم کی جنس تبادلہ پیدا کرنے میں کم یا زیادہ غیر مساوی قوتِ محنت صرف کرتے ہیں اور اس کا انحصار ان حالات پر ہے جن میں وہ پیداواری عمل کو جاری کرتے ہیں۔ ایسے جنسِ تبادلہ پیدا کرنے والے جن کے آلات بہتر ہوں، مقابلتاً دوسرے پیدا کرنے والوں سے کم قوتِ محنت صرف کرتے ہیں۔ آلاتِ پیداوار کے اچھے یا برے ہونے کے علاوہ جسمانی طاقت، چابک دستی اور ہنرمندی کا بھی یہی اثر ہوتا ہے کہ بعض پیداوار کرنے والے کم وقت میں وہی اشیا پیدا کر لیتے ہیں جنہیں دوسرے پیدا کرنے میں زیادہ وقت لگاتے ہیں۔ منڈی کا قانون اس امر سے بے نیاز ہے کہ کن حالات میں کن پیدا کرنے والوں نے کیسے آلات پیداوار سے جنس تبادلہ (اشیا) پیدا کی ہیں۔ منڈی میں اشیا کی فروخت

کرنے پر ایک سے ہی دام ملتے ہیں اور حالات کا اختلاف، چابک دستی اور ہنرمندی کا فرق اس پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اس لیے وہ لوگ جو جنس تبادلہ (اشیا) کے پیدا کرنے والے حالات کی نا سازگاری، آلاتِ پیداوار کی کم تری اور ہنرمندی کے فقدان کی وجہ سے پیداواری عمل میں زیادہ قوتِ محنت صرف کرتے ہیں، وہ خرید وفروخت (تجارت) کے وقت کم معاوضہ پاتے ہیں اور نتیجتاً دوسروں کا مقابلہ کرنے میں ناکام اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ حالات کی سازی گاری، بہتر آلات پیداوار اور ہنرمندی کی وجہ سے کم قوتِ محنت صرف کرتے ہیں، فائدے میں رہتے ہیں اور امیر بنتے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال مقابلے کو بڑھاتی ہے اور اشیا (جنسِ تبادلہ) کے پیدا کرنے والوں میں ایک واضح خلیج پیدا کر دیتی ہے اور ان کی اکثریت غریب سے غریب تر اور اقلیت امیر سے امیر تر بنتی چلی جاتی ہے۔

جاگیرداری عہد میں ایک ملک میں کئی راجواڑے ہوتے تھے۔ یہ صورت حال تجارت کے فروغ کے راستے میں بڑی رکاوٹ تھی۔ ہر راجہ اور جاگیردار اپنے علاقے میں خرید وفروخت پر ٹیکس عائد کرتا تھا اور اپنے علاقے میں سامانِ تجارت کے گزرنے پر مخصوص ٹیکس وصول کرتا تھا۔ یہ من مانیاں تجارت کے فروغ کے راستے میں بھاری رکاوٹ تھیں۔ سماج کی معاشی ترقی اور تجارت کے فروغ کے تقاضوں نے راجواڑوں کی الگ الگ حیثیتوں کو ختم کرنے کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ دستکاری اور زرعی پیداوار کی نشوونما، شہروں اور دیہات میں محنت کی سماجی تقسیم، اور تجارت کے فروغ نے ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں کو مضبوط معاشی رشتوں میں باندھ دیا اور قومی منڈی وجود میں آ گئی۔ قومی منڈی کے قیام نے ایک مرکزی ریاستی اقتدار کے قیام کے لیے لازمی معاشی حالات کو پیدا کر دیا۔ شہروں میں ابھرتے ہوئے تاجر طبقہ نے جن کے راستے میں راجاؤں یا جاگیرداروں کی عائد کی ہوئی پابندیاں حائل تھیں۔ مرکزی ریاستی اقتدار کے قیام کے لیے لازمی معاشی حالات کو پیدا کر دیا۔ شہروں میں ابھرتے ہوئے تاجر طبقہ نے جن کے راستے میں راجاؤں یا جاگیرداروں کی عائد کی ہوئی پابندیاں حائل تھیں، مرکزی ریاستی اقتدار کے قیام کی حمایت کی۔

بادشاہوں نے چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں، شہروں کے عوام اور تاجروں کی مدد سے راجاؤں اور بڑے جاگیرداروں پر فیصلہ کن ضربیں لگائیں اور اپنی بالادستی ان سے منوائی۔ اس طرح بادشاہ مضبوط اور مطلق العنان بن گئے۔ مرکزی ریاستی اقتدار کے قیام اور الگ الگ رجواڑوں کے خاتمے نے سرمایہ داری نظامِ پیداوار اور سرمایہ داری رشتوں کی نشوونما میں آسانیاں پیدا کر دیں۔ اور عالمی منڈی کے قیام نے بھی سرمایہ داری نظامِ پیداوار کی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔

پندرھویں صدی میں ترکوں نے قسطنطنیہ اور بحر روم کے مشرقی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس سے مغربی یورپ اور مشرقی ممالک کے درمیان ہونے والی تجارت کے اہم راستے بند ہو گئے اور متبادل سمندری راستوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اس تلاش میں کولمبس نے 1492 میں امریکہ دریافت کر ڈالا اور 1490 میں واسکوڈی گاما افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان پہنچ گیا۔ واسکوڈی گاما کے سفر نے مغربی یورپ اور مشرق کے علاقوں کو سمندری راستوں کے ذریعے ملا دیا اور یورپ کی تجارت بحر روم کے راستے کے بجائے بحر اوقیانوس کے راستے ہونے لگی۔ اور اسی لیے تجارت ڈچوں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ عالمی منڈی نے تجارت کو فروغ دیا۔ عالمی منڈی کی ضرورتوں کو دستکاری پورا نہیں کر سکتی تھی۔ عالمی منڈی کی اس بڑھتی ہوئی ضرورت کو بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ پیداوار ہی پورا کر سکتی تھی۔ اس ضرورت نے چھوٹے پیمانے کی دستکاری کو بڑے پیمانے کی دستکاری میں بدل دیا اور دستکاروں کو اجرتی مزدوروں کے استحصال کی بنیاد پر سرمایہ داری نظام نے بڑی تیزی سے ترقی کا آغاز کیا۔ سرمایہ داری طریقِ پیداوار نے دو راستوں سے ترقی کی۔ ایک طرف چھوٹے دستکاروں میں تفریق پیدا ہوئی جس سے سرمایہ دار پیدا ہوئے اور دوسری طرف تجارتی سرمایہ نے تاجروں کے ذریعہ پیداواری قوتوں کو براہِ راست اپنے تسلط میں لے لیا۔ بڑے بڑے تاجروں نے جنس تجارت (اشیا) کو پیدا کرنے کے لیے دستکاروں کو اجرتی مزدوروں کی صورت میں ملازم رکھا۔ اس نے تجارتی سرمایہ داری پیداوار کے عروج میں مدد کی کیوں کہ اس نے جاگیرداری نظام کی معیشت کی جڑوں کو ہلا ڈالا۔ جس میں پیداوار مقامی ضرورت کے لیے ہوتی تھی۔ تاجروں نے پہلے دستکاری اور کسانوں

کی پیداوار کو ایک دوسرے سے بدلنے کا کام لیا اور اس کے بعد دستکاروں سے ان کی پیدا کی ہوئی جنس اور اشیا کو خرید کر وسیع تر منڈی میں فروخت کرنا شروع کیا۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے سے دستکاروں میں مقابلہ بڑھ گیا اور ان میں سے غریب دستکار تاجروں سے قرض لینے لگے اور آلا تِ محنت اور خام مال حاصل کرنے لگے۔ تاجروں نے ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا اور ان کی اشیا کو اونے پونے خریدنے لگے۔ چھوٹے دستکار اور کسان آہستہ آہستہ تاجروں کے محتاج ہو گئے اور پیداواری عمل میں ان کی رہی سہی آزادی بھی ختم ہو گئی۔ وہ تاجروں کے اجرتی مزدور بن گئے اور تاجر سرمایہ دار صنعت کار بن گئے۔ وہ دستکار جو اجرتی مزدور بن گئے تھے، تاجروں کی بڑی بڑی ورکشاپوں میں کام کرنے لگے۔ یہاں تاجروں نے ان کی ہنرمندی کے مطابق کام کو ان پر تقسیم کر دیا اور اس طرح محنت کی مزید تقسیم عمل میں آ گئی۔

پہلے پہل ایسی ورکشاپیں چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں اٹلی کے شہر فلورنس میں قائم ہوئیں اور سولہویں صدی سے اٹھارویں صدی تک سوتی اور ریشمی کپڑے بننے، ہتھیار بنانے اور شیشہ گیری وغیرہ کی ورکشاپیں تمام یورپ میں پھیل گئیں۔ دیہات میں جاگیرداری رشتے بھی کمزور ہو گئے اور جنسِ تبادلہ کی پیداوار اور تجارت کے فروغ نے زر کی طاقت اور اہمیت بڑھا دی۔ جاگیرداروں نے بٹائی جنس کی صورت میں لینے کے بجائے نقدی کی صورت میں وصول کرنا شروع کر دی۔ کسانوں اور رعیتی غلاموں کو نقد لگان کی ادائیگی کے لیے روپے کی ضرورت پڑی اور وہ اپنی اجناس اور اشیا کو فروخت کرنے پر مجبور ہوئے۔ جاگیرداروں نے نقد لگان میں اضافہ کر دیا اور رعیتی غلام اور کسان اسے پورا کرنے کے لیے تاجروں اور ساہوکاروں سے قرض لینے لگے اور ان کے محتاج ہو گئے۔ جاگیرداروں کے لگان اور ساہوکاروں کے سود نے انہیں غریب سے غریب تر کر دیا اور وہ تباہ حال ہو گئے۔ زر کے پھیلاؤ سے دیہات میں کسانوں اور رعیتی غلاموں کے طبقہ میں امیر کسانوں کا طبقہ ابھرا جو غریب کسانوں کا استحصال کرنے لگا۔ اس طرح جاگیرداری کے بطن سے سرمایہ داری نظام پیدا ہوا۔

ابتدائی سرمایہ

کسانوں کی زمین سے جبری بے دخلی

سرمایہ داری نظام پیداوار کی زندگی کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: اول ایسے انسانوں کی بھیڑ جن کے پاس ذرائع پیداوار اور آلاتِ پیداوار نہ ہوں تا کہ وہ زندہ رہنے کے لیے اپنی قوت بیچنے پر مجبور ہو جائیں۔ دوسرے روپے کی صورت میں اتنی دولت جو صنعتوں کے قائم کرنے اور چلانے کے لیے ضروری ہے۔

ہم لکھ چکے کہ تاجروں نے چھوٹے دستکاروں اور کسانوں کی پیداوار کو خرید اور منڈی میں فروخت کیا۔ ان دستکاروں کے درمیان مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں ان کی اکثریت غریب اور بہت کم تعداد دولت مند ہوتی چلی گئی۔ لیکن سرمایہ کے جمع ہونے کا یہ عمل بہت سست تھا اور بڑھتی ہوئی منڈی کی ضروریات اس سے پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ریاستی اقتدار نے کسانوں اور دستکاروں کا زبردستی استحصال شروع کیا۔ کارل مارکس نے اس جبر اور زبردستی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''سرمایہ داری نظام کی جنائی (عمل پیدائش) کا کام جبر کی دائی نے انجام دیا ہے۔''

بوروژوا دانش ور سرمایہ داری نظام کی ابتدا کا ذکر کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ گزرے وقتوں میں ایک گروہ محنتی اور کفایت شعار تھا اور دوسرا کام چور اور فضول خرچ تھا۔ محنتی گروہ سرمایہ دار بن گیا اور فضول خرچ اور کام چور گروہ مزدور بن گیا۔ ان کہانیوں کا تاریخی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جائیداد سے محروم لوگوں کا گروہ اور جائیداد کے مالکوں کا گروہ اس لیے وجود میں آیا کہ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کا استحصال کیا اور اسے ذرائع پیداوار اور آلاتِ پیداوار سے محروم کر دیا۔ اس محرومی کی وجہ سے وہ اجرتی مزدور بننے پر مجبور ہوا۔

ارتکازِ زر

یہ محرومی بے انتہا ظلم و تشدد سے عمل میں آئی، جس کی تاریخ گواہ ہے۔ اسی لوٹ اور

غارت گری کی وجہ سے سرمایہ اکٹھا ہوا، جب کہ سرمایہ داری کا وجود ابھی قائم نہ ہوا تھا۔ اس اکٹھا ہونے والے سرمایہ نے سرمایہ داری نظام کو جنم دیا اور اسے فروغ بخشا۔

سرمایہ داری نظام پیداوار نے پہلے انگلستان میں جنم لیا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں کسانوں کو بیدخل کیا جانے لگا۔ اونی کپڑے کے لیے اون کی ضرورت بڑھتی تو جاگیرداروں نے روپیہ کمانے کے لیے کسانوں کو زمین سے نکال دیا اور بھیڑیں تعداد میں پالنے کا آغاز کیا۔

جاگیرداروں نے پہلے شاملات کی زمینوں پر قبضہ کیا اور پھر کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کیا اور زیر کاشت زمینوں کو چراگاہوں میں بدل دیا۔ اس کام میں ریاست نے جاگیرداروں کی مدد کی۔ اگر کہیں کسانوں نے زمینیں واپس لینے کی کوشش کی تو ریاست کی فوج نے انہیں مار بھگایا۔ اٹھارویں صدی میں ریاست نے بے دخلی کے حق میں قوانین بنا دیے۔ زمینوں اور گھروں سے نکالے ہوئے لاکھوں کسان شہروں میں آ کر بھیک مانگنے پر مجبور ہوئے یا دیہات کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے پھرے حکومت نے ان کے خلاف سخت قوانین بنائے۔ ہنری ہشتم کے عہد میں 72 ہزار کسانوں کو آوارہ گردی کے الزام میں پھانسیاں دے دی گئیں۔

ازمنہ وسطیٰ میں تاجروں اور ساہوکاروں کے پاس سونے چاندی کے بہت بڑے بڑے ذخیرے تھے۔ یہ دولت سرمایہ داری نظام پیداوار کی ترقی میں کام آئی۔ امریکہ کی دریافت کے بعد یورپ کے ملکوں نے وہاں کے لوگوں کو لوٹا اور اس میں سونے چاندی کے انبار وہاں سے لے آئے۔ یورپ کے تاجروں نے افریقہ کے کروڑوں کالے لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا لیا اور انہیں امریکہ لے جا کر فرخت کر کے دولت کمائی۔ ہندوستان کو ڈچوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں نے تجارت کے نام سے خوب لوٹا۔

یہ تمام لوٹ جاگیرداری عہد میں ہوئی اور سرمایہ جمع ہوا۔ یہ سرمایہ سرمایہ داری نظام پیداوار کو ترقی دینے کا ذریعہ بنا۔ سرمایہ جمع کرنے کے اس عمل کو مارکس نے ان الفاظ میں بیان کیا ''سرمایہ دنیا میں جب آیا تو سر سے پاؤں تک اس کی ایک ایک پور خون اور خاک میں لتھڑی ہوئی تھی''۔

رعیتی غلاموں اور کسانوں کی بغاوتیں

سرمایہ دارنہ انقلاب، جاگیرداری نظام کا خاتمہ

سارا جاگیرداری عہد رعیتی غلاموں اور کسانوں کے خلاف جدوجہد سے بھرا ہوا ہے۔

اس عہد کے آخری سالوں میں اس جدوجہد نے نہایت شدت اختیار کر لی۔

چودھویں صدی میں فرانس رعیتی غلاموں اور کسانوں کی بغاوتیں کی لپیٹ میں تھا۔ شروع شروع میں شہروں کے سرمایہ دار طبقے نے ان کی حمایت کی لیکن فیصلہ کن مرحلے پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چودھویں صدی کے آخری سالوں میں انگلستان میں کسانوں نے بادشاہ کے وعدوں پر اعتبار کر کے امن کی راہ اختیار کی جدوجہد کا راستہ ترک کر دیا۔ بادشاہ نے ایفائے عہد کے بجائے کسانوں کے خلاف فوج کشی کی اور سخت سزائیں دیں۔

سولہویں صدی میں جرمنی کے کسانوں نے تھامس منذر کی قیادت میں جاگیرداروں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور دوسرے یورپی ملکوں میں بھی کسان بغاوتیں ہوئیں۔

چین میں کسانوں کی مشہور بغاوت تائی پنگ کی بغاوت ہے۔

ان بغاوتوں کی انقلابی اہمیت یہ ہے کہ ان سے جاگیرداری نظام کی جڑیں ہل گئیں۔ مغربی یورپ کے ملکوں میں جاگیرداری نظام سے سرمایہ داری نظام کی طرف عبور سرمایہ دارانہ انقلابوں کی صورت میں ہوا۔ ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں نے کسانوں کی جدوجہد کو جاگیرداری استحصال کے خاتمے کے لیے استعمال کیا اور جاگیرداری استحصال کی جگہ سرمایہ داری استحصال نے لے لی۔ سرمایہ دار ریاستی اقتدار سے جاگیرداروں کو بے دخل کر کے اس پر قابض ہو گئے۔

سرمایہ دارانہ انقلاب میں جاگیرداری نظام کو برباد کرنے کا کام کسانوں نے انجام دیا۔ ہالینڈ میں سرمایہ دارانہ انقلاب سولہویں صدی میں ہوا۔ انگلستان میں سترھویں صدی میں فرانس میں اٹھارویں صدی میں ان انقلابوں میں جاگیرداروں نظام کے خاتمے کی اصل قوت کسان ہی تھے، جن کے ہاتھوں میں یہ ظالمانہ نظام برباد ہوا۔ کسانوں کی انقلابی جدوجہد کا پھل سرمایہ داروں کو ملا جو ان کے کندھوں پر سوار ہو کر ریاست کے اقتدار تک پہنچے۔ کسانوں کو جاگیرداروں سے سخت

نفرت تھی۔ سرمایہ داروں نے اس نفرت کو استعمال کیا۔ کسانوں کی بغاوتیں جو خود رو تھیں، کسان گروہوں میں تقسیم تھے اور ان کا کوئی واضح پروگرام نہ تھا، نہ ہی ان کی کوئی مضبوط تنظیم تھی۔ کسان صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے تھے کہ وہ مزدوروں سے اتحاد کرتے اور مزدور طبقہ تنظیم تھی۔ کسان صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے تھے کہ مزدوروں سے اتحاد کرتے اور مزدور طبقہ ان کی قیادت کرتا۔ لیکن سترھویں اور اٹھارویں صدی میں سرمایہ دارانہ انقلاب کے وقت مزدور طبقہ تعداد میں کم کمزور اور غیر منظم تھا۔

جاگیرداری نظام کی وجودگی میں سرمایہ داری رشتے قائم ہو چکے تھے اور سرمایہ دارانہ نظام پیداوار جڑیں پکڑ چکا تھا۔ استحصالی طبقہ (پرولتاریہ) بھی وجود میں آ گیا تھا۔ جاگیرداری پیداواری رشتے چوں کہ نئی پیداواری قوتوں کی نشوونما کے راستے میں رکاوٹ اور ان کے مطابق نہ تھے، اس لیے سرمایہ داروں نے اس بنیادی معاشی قانون کو کہ پیداواری رشتوں کو پیداواری قوتوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے، استعمال کیا۔ انہوں نے جاگیرداری نظام پیداوار کے بطن سے پیدا ہو چکی تھیں اور جن کی نشوونما پرانے دقیانوسی رشتوں کی وجہ سے رک گئی تھی۔ بورژوا انقلابوں نے جاگیردای نظام کو ختم کر دیا اور سرمایہ داری کی بالادستی قائم کر دی۔

جاگیرداری عہد میں سماج کا غالب طبقہ جاگیردار تھا۔ اس عہد کی ثقافت جاگیر دارانہ تھی۔ اس عہد کی فکری دنیا میں پادریوں، پروہتوں اور مولویوں کی بالادستی تھی۔ ان کے نزدیک جاگیرادری نظام آسمانی نظام تھا۔ سرمایہ دار طبقہ کے نظریات جاگیرادری نظام اور مذہب ہر دو کے خلاف تھے۔ کیوں کہ پادری (مذہبی مقتدا) بادشاہت اور جاگیرداری کی حمایت کرتے تھے۔ سرمایہ داری نظام کے دانش وروں نے جاگیرداری عہد کی ثقافت، نظریات، مذہبی عقائد اور اخلاقی اقدار پر کڑی تنقیدیں کیں اور اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے لیے نظری بنیاد مہیا کی اور انقلاب کے لیے راستہ ہموار کیا اور سائنس اور آرٹ کی نشوونما میں اہم کردار کیا۔

خلاصہ

1۔ غلام داری سماج کے زوال اور قبائلی نظام کے کھنڈرات پر جاگیرداری نظام قائم ہوا۔

2۔ جاگیرداری دور میں زمین کے مالک جاگیردار تھے۔ اس عہد میں چھوٹے مالک کسان اور آزاد دستکار بھی تھے، جاگرداری سماج رعیتی غلاموں کی محنت پر قائم تھا۔ رعیتی غلام جاگیرداروں کی زمین بیگار میں کاشت کرتے تھے اور اپنے قبضے کی زمین کی پیداوار میں سے انہیں بٹائی دیتے تھے، بٹائی جنس کی شکل میں بھی تھی اور نقد لگان کی صورت میں بھی۔ رعیتی غلاموں اور دوسرے غلاموں میں بہت بڑا فرق تھا۔ جاگیرداری عہد میں پیداواری قوتوں کی نشوونما کے لیے غلام داری سماج سے بہتر حالات تھے کیوں کہ اس سماج میں رعیتی غلام کا پیداوار میں حصہ تھا اور آلات محنت بھی اس کے ہوتے تھے اس لیے اسے پیداوار بڑھانے میں غلام کی نسبت زیادہ دلچسپی تھی۔

3۔ جاگیرداری نظام کے معاشی قانون کے تحت کسان اور رعیتی غلام اپنی زائد پیداوار جاگیرداروں کی ضرورتوں کی تسکین کے لیے مہیا کرتے تھے اور وہ ایسا کرنے پر اس لیے مجبور تھے کہ زمین کے مالک جاگیردار تھے۔

4۔ جاگیرداری سماج کے ابتدائی دور میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں۔ اس سماج کے حکمران طبقات شرفا اور پادری (مذہبی مقتدا) تھے۔ رعیتی غلام اور کسان سیاسی حقوق سے محروم تھے۔ اس عہد میں ہمیشہ کسانوں نے جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کی۔ اس دور میں یہی طبقاتی کشمکش کی صورت تھی۔ ریاست پر جاگیرداروں اور پادریوں کا قبضہ تھا۔ اس لیے ریاست نے ہمیشہ ان کو مضبوط کیا اور کسانوں کو دبایا۔

5۔ اس عہد میں زراعت غالب معیشت تھی۔ تقسیم محنت اور تجارت کے فروغ سے غلام داری کے شہروں کو ترقی کے راستے کی رکاوٹ تھے۔ تجارت کے فروغ سے منڈی میں وسعت پیدا ہوئی اور قومی منڈی وجود میں آئی۔ مرکزی ریاست بادشاہت کی صورت میں قائم ہوئی۔

6۔ جنس کا تبادلہ کی نشوونما سے زراعت اور حرفت الگ الگ ہو گئیں۔ تجارتی سرمایہ کی

وجہ سے حرفت کو زوال ہوا اور اس کی جگہ کارخانہ داروں نے لے لی۔ جاگیرداری رشتے جنس تبادلہ کی پیداوار کی ترقی کے راستے کی رکاوٹ تھے۔ تجارت کے فروغ سے منڈی میں وسعت پیدا ہوئی اور قومی منڈی وجود میں آئی۔ مرکزی ریاست بادشاہت کی صورت میں قائم ہوئی۔

7۔ ابتدائی سرمایہ جمع ہوا اور سرمایہ اکٹھا ہونے سے سرمایہ داری کی نشوونما کے لیے حالات پیدا ہوئے۔ کسانوں اور دستکاروں کے ذرائع پیداوار اور آلات پیداوار سے محرومی کے باعث اجرتی مزدوروں کی بھیڑ پیدا ہوئی۔ جاگیرداروں تاجروں اور ساہوکاروں نے طرح کی لوٹ سے دولت کے انبار جمع کیے اور سرمایہ داری نظام کے بنیادی طبقے سرمایہ دار اور مزدور وجود میں آ گئے۔ اگیرداری سماج کے بطن سے سرمایہ داری نظام پیدا ہو کر پروان چڑھا۔

8۔ جاگیرداری نظام پیداواری رشتے پیداواری قوتوں کے لیے زنجیر بن گئے۔ رعیتی غلاموں اور کسانوں نے ان کو توڑنے کے لیے بغاوتیں کیں۔ سرمایہ دار طبقے نے ان سے فائدہ اٹھایا اور ان کی انقلابی جدوجہد کی ضربوں سے جب جاگیرداری نظام ختم ہوا تو ریاستی اقتدار پر سرمایہ دار طبقہ کی حکمرانی قائم کی۔ سرمایہ داری سماج کے قیام سے پیداواری قوتوں کی نشوونما تیزی سے ہونے لگی۔

سرمایہ داری نظامِ پیداوار

جیسے بتایا گیا ہے کہ جاگیرداری نظام پیداوار کی بنیاد اور اس کے بطن سے سرمایہ داری نظامِ پیداوار نے جنم لیا اور اس کی جگہ قائم ہو گیا۔ اس نظام پیداوار کی بنیاد اور اس کا خاصہ سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں مزدور طبقے کا استحصال ہے۔

سرمایہ داری نظام پیداوار کی روح جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) ہے۔ اس نظام میں ہر شئے جنسِ تبادلہ بن جاتی ہے اور ہر شعبہ زندگی میں خرید و فروخت کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔ جنس تبادلہ (اشیائے تجارت) سماج میں سرمایہ داری نظام سے بہت پہلے غلام داری اور جاگیرداری سماجوں کے وقت سے موجود رہا ہے لیکن وہ سرمایہ داری نظام پیداوار کی روح، سرمایہ داری سماج کے دور میں داخل ہو کر بن جاتا ہے۔

جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) اسی صورت میں وجود میں آسکتی ہے، جب تقسیم محنت سے ہنرمندی اور صلاحیت کار بڑھے اور ذرائع پیداوار اور خود پیداوار پر نجی ملکیت قائم ہو جائے۔ اس کے بغیر جنس تبادلہ (اشیائے تجارت) وجود میں نہیں آسکتی تھی۔

ابتدائی جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) جسے دستکار اور چھوٹے کسان پیدا کرتے تھے، سرمایہ داری عہد کی جنس تبادلہ سے اس لحاظ سے مختلف تھی کہ یہ جنس تبادلہ دستکاروں اور چھوٹے مالک کسانوں کی قوت محنت سے پیدا ہوتی تھی اور ان ہی کی ملکیت تھی۔ لیکن بنیادی طور پر سرمایہ داری عہد کی جنسِ تبادلہ اور اس سے پہلے کی جنسِ تبادلہ ایک جیسی تھی۔ یعنی دونوں حالتوں میں ذرائع

پیداوار کی نجی ملکیت سے ہی اس نے جنم لیا تھا۔ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت سے جنسِ تبادلہ کا پیدا کرنے والوں میں باہمی مقابلہ پیدا ہونا ضروری ہے جس سے مٹھی بھر لوگوں کا امیر ہو جانا اور اکثریت کی تباہ حالی ناگزیر ہے۔اس لیے ابتدائی جنسِ تبادلہ کی پیداوار سرمایہ داری نظام کے عروج اور ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔

جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) کی خصوصیات

جنسِ تبادلہ وہ شئے ہے جو ایک طرف انسان کی کسی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور دوسری طرف وہ ذاتی استعمال میں لانے کے بجائے تبادلے کے لیے پیدا کی جاتی ہے۔اس شئے کا یہ پہلو کہ وہ کسی نہ کسی انسانی ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس شئے کو قدرِ استعمال بناتی ہے۔یہ شئے دو طرح سے قدرِ استعمال کی صورت میں کام آتی ہے کہ یا تو وہ براہِ راست کسی نہ کسی انسانی ضرورت کی تشکیل کرتی ہے یا کسی اور مادی پیداوار کے بنانے میں مدد دیتی ہے۔مثلاً کپڑا پہننے کے کام آتا ہے مگر کاری گر کپڑا بنانے کا کام دیتا ہے۔جوں جوں انسان ترقی کرتا ہے، وہ اشیا کے استعمال کی نئی نئی صورتیں دریافت کرتا ہے۔بہت سی ایسی اشیا دنیا میں موجود ہیں جنہیں انسان اپنی محنت سے پیدا نہیں کرتا لیکن انہیں استعمال میں لاتا ہے۔مثلاً جنگلی درختوں کے پھل اور چشموں کا پانی۔اس لیے ہر وہ شئے جس میں قدرِ استعمال ہو جنسِ تبادلہ نہیں کہلاتی۔جنسِ تبادلہ صرف وہ شئے ہے جس میں قدرِ استعمال بھی ہو اور جسے انسان اپنی قوتِ محنت سے فروخت کرنے کے لیے پیدا کرے۔

اشیا کی قدرِ استعمال دولت کی مادی بنیاد اور اس وجہ ہی سے اشیا جنسِ تبادلہ بنتی ہیں۔پہلے اشیا کا تبادلہ کچھ اس طرح تھا کہ دو سیر گندم کے عوض کلہاڑا مل جاتا تھا۔اشیا کے تبادلے میں ضروری ہے کہ تبادلہ کی کوئی مشترکہ بنیاد ہو۔ظاہر ہے یہ مشترکہ بنیاد وزن، حجم اور صورت نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک ہی قسم کی اشیا کا باہم تبادلہ نہیں ہو سکتا، مثلاً گندم کے بدلے گندم یا چینی کے بدلے بدلے چینی کا۔مختلف قسم کی اشیا میں ایک ہی چیز مشترک ہے اور وہ انسان کی وہ قوتِ محنت ہے جو اشیا کو پیدا کرتی ہے۔مثلاً جب ایک لوہار کو ایک کلہاڑی کے بنانے میں جتنی سماجی محنت صرف ہوتی ہے

وہ دو سیر گندم پیدا کرنے کی محنت کے برابر ہے۔قدر وہ سماجی محنت ہے جو اس شئے کے پیدا کرنے والے کو لازمی طور پر خرچ کرنی پڑتی ہے۔

ایسی مادی اشیا جو انسان کے لیے مفید ہیں اور وہ انہیں کام میں لاتا ہے لیکن جن پر اس کی محنت خرچ نہیں ہوتی، وہ قدر نہیں بنتیں۔مثلاً ہوا ایسی ہی مادی شئے ہے۔اور ایسی اشیا جن پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، زیادہ قدر رکھتی ہیں۔مثلاً سونا یا ہیرے۔بہت سی اشیا ایسی ہیں جن کے پیدا کرنے میں پہلے زیادہ محنت صرف ہوتی تھی۔لیکن اب طریقِ پیداوار کی تبدیلی اور ترقی سے ان کے پیدا کرنے میں کم محنت صرف ہوتی ہے اور اس کا اظہار اشیا کے دوسری اشیا سے تبادلے کے وقت ہوتا ہے۔اس لیے قدرِ تبادلہ ہی وہ صورت ہے جس سے کسی مادی شئے کی قدر کا اظہار ہوتا ہے۔

اشیا کے تبادلے کے پیچھے ان اشیا کے مالکوں کے درمیان سماجی محنت کی تقسیم پوشیدہ رہتی ہے۔اور جب ان اشیا کے پیدا کرنے والے ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں تو ایسا کرنے میں وہ دراصل مختلف قسم کی محنت کا جو اُن کے پیدا کرنے میں صرف ہوئی ہے، مقابلہ کرتے ہیں۔

لازمی سماجی محنت

جنسِ تبادلہ (شئے) کی قدر اس سے متعین ہوتی ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں کتنا وقت صرف ہوا ہے۔کسی شئے پر جتنا زیادہ وقت صرف ہوگا، اس کی قدر اتنی ہی زیادہ ہوگی۔اشیا کو پیدا کرنے والے چوں کہ مختلف کام کرتے ہیں اس لیے ایک ہی قسم کی اشیا پیدا کرنے میں حالات میں کام کرتے ہیں اس لیے ایک ہی قسم کی اشیا پیدا کرنے میں کم یا زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کام چور، یا سست رفتاری سے کام کرنے والا، یا ناسازگار حالات میں کام کرنے والا جو اشیا پیدا کرے گا، اس کی قدر زیادہ ہوگی کیوں کہ اس نے اس کو پیدا کرنے میں زیادہ وقت صرف ہوا ہے۔جنسِ تبادلہ (اشیا) کی قدر کسی ایک شخص کے اُسے پیدا کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے، اس سے متعین نہیں ہوتی بلکہ قدر کا تعین اُس لازمی سماجی وقت سے ہوتا ہے جو اس کے پیدا کرنے میں ضروری طور پر صرف ہوتا ہے۔

سماجی طور پر لازمی وقت وہ ہے جو ایک پیدا کرنے والا عام طور پر موجود سماجی حالات، ہنرمندی اور مستعمل طریقِ پیداوار کو کام میں لا کر ایک شئے کے پیدا کرنے میں صرف کرتا ہے۔ جوں جوں صلاحیتِ کار، ہنرمندی اور حالات کی سازگاری میں ترقی ہوتی ہے، کسی شئے کے پیدا کرنے میں صرف ہونے والے لازمی سماجی وقت یا محنت میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔

صلاحیتِ کار کا اظہار مقررہ وقت میں اشیا کی مقررہ مقدار پیدا کرنے سے ہوتا ہے۔ جوں جوں آلاتِ محنت میں تبدیلی ہوتی ہے، سائنس ترقی کرتی ہے، مزدوروں کی ہنرمندی بڑھتی ہے اور پیداواری عمل میں ترقی ہوتی ہے، پیداواری صلاحیت اسی نسبت سے ترقی کرتی جاتی ہے۔ جتنی پیداواری صلاحیت بڑھتی ہے، اسی نسبت سے کسی شئے کے پیدا کرنے میں کم وقت صرف ہوتا ہے اور اسی نسبت سے اس شئے کی قدر گھٹ جاتی ہے۔ شروع شروع میں ابتدائی سماج میں جب اشیا پیدا ہونے لگیں تو اس وقت ایک شئے کا دوسری شئے سے براہِ راست تبادلہ ہو جایا کرتا تھا۔ جیسے کلہاڑی کا گندم سے۔ لیکن پہلی تقسیمِ محنت کے وجود میں آنے سے جو گلہ بانی کرنے والے قبائل کاشت کرنے والوں اور اہلِ حرفہ سے اپنے مویشیوں کا تبادلہ غلے اور دوسرے ہاتھ سے بنائی ہوئی اشیا سے کرنے لگے اور تجارت کا رواج کچھ اس قسم کا بن گیا یعنی ایک بھیڑ کے عوض ایک من گندم یا دس گز کپڑا یا چار کلہاڑیاں یا دو تولے سونا لینے لگے۔

جب مزید محنت کی تقسیم ہوئی تو اشیا کا براہِ راست تبادلہ مشکل ہو گیا۔ لوہار کو جوتے کی ضروت پڑی۔ موچی کو کپڑے کی، جولاہے کو غلے کی اور کاشتکار کو کلہاڑی کی۔ اس صورت حال سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اشیائے تبادلہ میں سے کوئی ایک شئے تبادلہ کا معیار قرار پائے چنانچہ اولاً تبادلہ کا ذریعہ اور معیار مویشی قرار دیے گئے۔

پیداواری قوتوں کی ترقی سے زراعت اور حرفت میں تقسیمِ عمل میں آ گئی۔ اس تقسیم سے جنسِ تبادلہ کی پیداواری میں اضافہ ہوا' اور منڈی میں وسعت پیدا ہوئی۔ تجارت کی ضرورت نے تبادلے کا ایک اور ذریعہ تلاش کر لیا، وہ زر تھا۔ پہلے یہ کام مختلف دھاتوں سے لیا گیا۔ لیکن آخر کار سونا اور چاندی تبادلے کا معیار اور ذریعہ بن گئے اور آہستہ آہستہ صرف سونا ہی زر قرار پا گیا۔

زر کے کام

1۔ زر سے اشیا کی قدر ناپی اور تولی جاتی ہے۔

2۔ زر، اشیا کے تبادلے کا ذریعہ ہے۔

3۔ زر کی شکل میں اشیا کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔

4۔ زر سے ادائیگیاں کی جاتی ہیں۔

5۔ زر عالمی سکہ کا کام دیتا ہے۔

کسی جنسِ تبادلہ (شئے) کی قدر کا زر کی صورت میں اظہار اس شئے کی قیمت کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شئے کی قیمت اس کی قدر کا زر کی صورت میں اظہار ہے۔ پہلے سونے اور چاندی کی سلاخوں سے زر کا کام لیا جاتا تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا لیے گئے جنہیں سکہ کہا گیا۔ سکہ مخصوص شکل اور مقررہ وزن کے دھات کے ٹکڑے کا نام ہے۔ پہلے ہر سکہ سونے کے ایک مخصوص وزن کے برابر ہوتا تھا۔ بعد میں حکومت نے اس کی حیثیت ٹوکن کی کر دی۔

سونا اور کاغذی سکہ

اس صدی میں سونے کے سکے کی جگہ کاغذ کے سکے نے لے لی۔ اب حکومتیں کاغذ کے نوٹ جاری کرتی ہیں اور یہ نوٹ سکے کا کام دیتے ہیں۔ ان نوٹوں کی اپنی کوئی قدر نہیں ہے۔ اگر کاغذ کے نوٹ اتنے مقدار ہی میں جاری کیے جائیں جتنی اشیا کے تبادلے کے لیے سونے کے سکوں کی ضرورت ہے تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔ لیکن حکومتیں اس کی پابندی نہیں کرتیں۔ وہ اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ضرورت سے بہت زیادہ نوٹ چھاپ لیتی ہیں۔ اور اُن کے ایسا کرنے سے افراطِ زر ہو جاتی ہے۔ اس سے حکومت کے اخراجات کا بوجھ محنت کشوں پر منتقل ہو جاتا ہے اور ان کا استحصال بڑھ جاتا ہے۔ افراطِ زر سے اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جب کہ محنت کشوں کی اجرتیں اور تنخواہوں کی افادیت اس کے مقابلے میں پیچھے رہ جاتی ہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار افراطِ زر سے خوب ہاتھ رنگتے ہیں کیوں کہ ملازموں اور مزدوروں کی حقیقی اجرت میں کمی ہو جاتی ہے۔

جنسِ تبادلہ کی پیداوار کا قانون

نجی ملکیت کی بنیاد پر جنس تبادلہ (اشیائے تجارت) کو اس کے پیدا کرنے والے الگ الگ تیار کرتے ہیں اور ان کے مابین مقابلہ جاری رہتا ہے۔ان میں سے ہر ایک دوسرے کو منڈی سے باہر نکالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ پیداوار کسی منصوبے کے تحت نہیں ہوتی۔ ہر پیداوار کرنے والا اپنے منافع کی دھن میں پیداوار کرتا ہے اور آیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کی پیداوار کرنے والے دوسرے کتنی مقدار میں وہی اشیا تیار کر لیں گے۔اور آیا ان سب کے لیے منڈی میں مانگ ہے یا نہیں۔بس اندھا دھند اپنا مال اشیائے تجارت (جنس تجارت) تیار کرتا رہتا ہے۔نجی ملکیت کی بنیاد پر تیار ہونے والا مال یا جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) کی پیداوار کا قانون مقابلہ کا قانون ہے اور پیداوار میں انتشار بحران اور نتیجتاً انارکی کا قانون ہے۔اس میں پیداوار کرنے والا دوسرے کے مقابلے میں زیادہ منافع کمانے کی غرض سے پیداوار میں مصروف رہتا ہے اور تبادلے کے میدان میں دوڑنے لگتا ہے۔اس طرح پیداوار اور تبادلے کے میدان میں افراتفری کا عالم طاری رہتا ہے۔

قدر کا قانون جنس تبادلہ کی پیداوار کا معاشی قانون ہے جس سے اشیا کا تبادلہ ہوتا ہے اور یہ تبادلہ دراصل تبادلہ کی جانے والی اشیا کی تیاری میں صرف ہونے والی لازمی سماجی محنت کی نسبت سے ہوتا ہے۔

منڈی میں اشیا کی قیمتِ طلب اور رسد کے قانون کے مطابق اشیا کی قدر سے اوپر یا نیچے ہوتی رہتی ہے اور منڈی کے بھاؤ ہی نجی ملکیت میں پیدا کرنے والوں کو بتاتے ہیں کہ انہوں نے طلب سے زیادہ اشیائے تجارت (جنس تبادلہ) پیدا کر لی ہیں یا کم۔اور وہ اپنی پیداوار کو کم کرنے یا بڑھانے کے عمل کو اس کے مطابق کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

منافع کمانے کی دوڑ میں مقابلے کی تاب نہ لا کر بہت سے پیدا کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں اور مزدوروں کی صفوں میں شامل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔چند ایک امیر سے امیر تر بن جاتے ہیں اور پیدا کرنے والوں میں قدر کا قانون اس طرح تفریق کا ذریعہ بنتا ہے۔اور بقول لینن،

''چھوٹے پیمانے کی پیداوار ہر لحظہ اور ہر گھڑی سرمایہ داری کو اور سرمایہ داروں کو جنم دیتی رہتی ہے''۔

جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) کے پیدا کرنے والوں کی قسمت ان اشیا سے بندھ جاتی ہے جنہیں وہ پیدا کرتے ہیں۔ان اشیا کے نرخ بدلتے رہتے ہیں اور اس پر اُن کا اختیار نہیں ہوتا۔ نرخوں کی تبدیلی ان کے لیے مسرت یا موت کا پیغام لاتی ہے۔اور اس طرح اشیا کے تبادلے کے پردے میں انسانوں کے سماجی تعلقات چھپ جاتے ہیں اور جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) کے معاشی نظام میں انسانوں کے باہمی پیداواری رشتے بظاہر اشیا کے باہمی رشتے نظر آنے لگتے ہیں۔

نجی ملکیت کی بنیاد پر جنسِ تبادلہ (اشیائے تجارت) کی پیداوار کے معاشی نظام میں زر کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ زر ہی سب کچھ ہے حتیٰ کہ زر دار انسان کی بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور جب تک ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت باقی رہتی ہے، زر کی ہمہ گیر قوت قائم رہتی ہے اور انسان اس کے سامنے بے بس رہتا ہے۔اور جب اس کو ختم کر دیا جاتا ہے تو زر کی یہ قوت بھی ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری نظام پیداوار اور کسانوں پر اس نظام کا اثر

سرمایہ داری نظامِ پیداوار کی نشو و نما سے صنعت اور زراعت بالکل الگ الگ دو شعبے بن گئے ہیں۔سماجی محنت کی تقسیم صرف صنعت ہی میں عمل میں نہ آئی بلکہ زراعت میں بھی عمل میں آ گئی۔تمام زرعی پیداوار جنس تبادلہ (اشیائے تجارت) بن گئی۔اس صورت حال نے کسانوں میں مقابلہ زیادہ شدید کر دیا اور وہ اپنی ہر فصل منڈی میں فروخت کرنے کے لیے پیدا کرنے لگے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سرمایہ داروں کی منڈی سے بندھ گئے اور منڈی کے بھاؤ کی کمی بیشی سے بری طرح متاثر ہونے لگے۔ان میں سے چند ایک کے پاس زیادہ دولت جمع ہو گئی اور اس دولت کے بل پر وہ غریب کسانوں کا استحصال کرنے لگے اور ان کی قوتِ محنت خریدنے لگے۔غریب کسان منڈی کے بے رحم قانون سے اجناس کے بھاؤ کے اتار چڑھاؤ کے مقابلے کی تاب نہ لا کر اپنی زمین فروخت کرنے پر مجبور ہوئے اور کھیت مزدور بن گئے۔

دیہات میں سرمایہ داری نظام پیداوار کے عمل دخل سے دیہاتی آبادیوں میں نئی تقسیم

رونما ہوئی۔ایک طرف امیر کسانوں کا طبقہ وجود میں آیا اور دوسری طرف کھیت مزدوروں کا۔

امیر کسان دیہات کی آبادی کا وہ طبقہ ہے جو کھیت مزدوروں کی قوتِ محنت خرید کر ان سے زمین کا شت کرواتا ہے ۔زمین ،بیل ،ہل اور پیداوار کا وہ مالک ہوتا ہے وہ جھونا (دھان) چھڑنے اور آٹا پیسنے کی مشین بھی لگا لیتا ہے اور مویشی (بھیڑ گائے وغیرہ) کے فارم بھی قائم کر لیتا ہے اور اس طرح کھیت مزدوروں اور چھوٹے کسانوں کا استحصال کرتا ہے۔

کھیت مزدور دیہاتی آبادی کا وہ طبقہ ہے جو زمین ،بیل ،ہل سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی قوتِ محنت فروخت کرنے پر مجبور ہے اور اس طرح امیر کسانوں کے استحصال کا ذریعہ بنتا ہے۔

غریب کسانوں کی حالت بھی کھیت مزدوروں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوتی۔ان کے پاس اتنی تھوڑی زمین ہوتی ہے جو ان کے لیے قابلِ گزارہ نہیں ہوتی۔سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لیے وہ قرضے لینے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے ان کے حالات اور بھی خراب ہو جاتے ہیں ،ان کا معیارِ زندگی صنعتی مزدوروں سے بھی پست ہوتا ہے۔

دیہات میں سرمایہ داری نظام پیداوار کے عروج سے کھیت مزدوروں اور غریب کسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔درمیانہ کسان اگرچہ اپنی زمین سے اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت اس میں نہیں ہوتی۔یہ طبقہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے اور امیر کسانوں کے طبقہ میں شامل ہونے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے۔اس لیے ڈھل مل یقین اور تذبذب ہوتا ہے۔اچھے حالات میں چار پیسے اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں لیکن نامساعد حالات کی صورت میں وہ غریب کسانوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔

اکثر ملکوں میں جب سرمایہ دار طبقہ برسر اقتدار آیا تو اس نے جاگیرداروں اور وڈیروں سے اراضی نہیں چھینی اور بڑے بڑے قطعات اراضی ان ہی کے پاس رہنے دیے۔سرمایہ داری نظامِ پیداوار کا دیہات کی معیشت پر غلبہ ہو گیا اور اس غلبے سے کھیت مزدور ،غریب کسان اور درمیانہ کسان دوہرے استحصال کا شکار ہو گئے یعنی جاگیرداروں اور وڈیروں کے استحصال کے علاوہ سرمایہ داروں کے استحصال کے بھی۔اور اس دوہری لوٹ نے ان کا کچومر نکال کر رکھ دیا۔

صنعتی انقلاب

سرمایہ داری کے ابتدائی ادوار میں پیداوار ہاتھوں سے ہوتی تھی اور دست کار سب کام ہاتھ سے کرتے تھے۔سماج کے معاشی نظام میں زبردست تبدیلی اس وقت آئی جب ہاتھ کی جگہ مشین نے لے لی۔یورپ کے سرمایہ دار ملکوں میں یہ تبدیلی اٹھارویں صدی کے آخر میں اور امریکہ میں انیسویں صدی میں آئی۔مشین اپنے ساتھ صنعتی انقلاب لائی۔

مشین کے استعمال سے محنت کی کارکردگی میں بے حد اضافہ ہو گیا۔اول یہ کہ مشین کی مدد سے لاتعداد آلاتِ پیداوار حرکت کرنے لگے اور انسانوں کے ہاتھوں کی نسبت مشین کئی گنا زیادہ آلاتِ پیداوار کو کام میں لے آئی۔دوسرے یہ کہ مشین کے آنے سے بھاپ ،گیس ،اور بجلی کی بے پناہ قوت کو کام میں لایا جا سکا ،تیسرے یہ کہ پیداوار بڑھانے کے لیے سائنس کو کام میں لانے کے امکانات بڑھ گئے ،چوتھے یہ کہ قدرت کی تسخیر کا عمل بہت تیز ہو گیا ،پانچویں یہ کہ بڑے پیمانے کی صنعت کا قیام ممکن ہو گیا جس نے سرمایہ داری نظام کی نشوونما کے لیے فنی اور مادی بنیاد مہیا کر دی۔

بڑے پیمانے کی صنعت کا آغاز برطانیہ میں ہوا ،جہاں اس کے لیے تاریخی طور پر وہ سازگار حالات موجود تھے جن میں سرمایہ داری طریقہ پیداوار تیزی سے ترقی کر سکتا تھا۔وہ حالات یہ تھے کہ رعیتی غلامی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔جاگیردارانہ افراتفری کی جگہ مضبوط مرکزی حکومت وجود میں آ چکی تھی۔سترہویں صدی میں سرمایہ دارانہ انقلاب کامیاب ہو چکا تھا۔کسانوں کی وسیع پیمانوں پر بے دخلیوں کی وجہ سے ایسے انسانوں کی بڑی تعداد موجود تھی جو ذرائع پیداوار سے محروم ہو چکی تھی اور نوآبادیات کی لوٹ سے کافی سرمایہ جمع ہو چکا تھا۔اور اٹھارویں صدی میں برطانیہ کی کپڑے کی صنعت بھی کافی اہم تھی اور اسی صنعت میں صنعتی انقلاب رونما ہوا اور مشین سے چلنے والے کرگھے استعمال میں آ گئے۔

جوں جوں منڈی میں وسعت پیدا ہوئی اور سرمایہ داری کی منافع خوری کی بھوک بڑھی ،اس نے طریقہ پیداوار کی تبدیلی کو ضروری بنا دیا۔کپڑے کی صنعت کے دو شعبے ہیں :دھاگہ تیار

کرنا اور دھاگہ سے کپڑا بننا۔ جب کپڑے کی طلب بڑھی تو پہلی تبدیلی کپڑا بننے کے طریقے میں ہوئی۔ ایک نئی قسم کی شٹیل (نلی) ایجاد ہوئی جس کے ذریعے پہلے سے کئی گنا زیادہ کپڑا تیار ہونے لگا۔ اب دھاگہ کافی مقدار میں تیار نہیں ہوتا تھا، اس لیے چرخے کی جگہ ایسی مشین بنی جس میں بیک وقت 32 تکلے ہوتے تھے۔ اس مشین کو پہلے آدمی چلاتے تھے، پھر گھوڑے استعمال کیے جانے لگے اور اس کے بعد جب نئی مشینوں میں تکلوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو دریائی قوت استعمال کی جانے لگی۔ اس طرح دھاگہ زیادہ بننے لگا تو مشین سے چلنے والے کوگھے ایجاد ہوئے اور بعد میں بھاپ کے انجن کو کپڑے کی صنعت میں استعمال کیا جانے لگا۔

مشینوں کے استعمال نے صنعت کے ہر شعبہ میں انقلاب بپا کر ڈالا اور اب ذرائع رسل ورسائل میں بھی بھاپ کے انجن استعمال کیے جانے لگے۔ صنعتوں میں مشین کے استعمال سے صنعت کا ایک نیا شعبہ انجینئرنگ وجود میں آیا۔ پہلے مشینیں لکڑی کی بنتی تھیں، پھر لوہے کی بننے لگیں جس سے مشینوں کی عمر بڑھ گئی اور مشین سے چلنے والے ہتھوڑے، بیلنے اور خراد بنے۔ مشینوں، انجنوں اور پٹڑیوں وغیرہ کے لیے لوہے کی ضرورت بڑھ گئی اور نئی قسم کی بھٹیاں ایجاد ہوئیں، جس سے لوہا زیادہ مقدار میں اور بہتر قسم کا تیار ہونے لگا۔ اور لوہے کی صنعت نے جب ترقی کی تو کانکنی کی صنعت وجود میں آئی۔

صنعتی انقلاب آنے سے برطانیہ ساری دنیا کے لیے صنعتی ورکشاپ بن گیا۔ برطانیہ کے بعد مشینیں بنانے کا تمام کام یورپ کے دوسرے ملکوں اور امریکہ میں پھیل گیا۔ فرانس میں صنعتی انقلاب، سرمایہ دارانہ انقلاب کے بعد ہوا۔ جرمنی میں 1840 کے لگ بھگ، امریکہ میں انیسویں صدی میں خانہ جنگی (سول وار) کے بعد۔ اور اس طرح انیسویں صدی کے آخر میں تمام سرمایہ دار ممالک صنعتی انقلاب کے دور میں داخل ہوگئے۔ صنعتی انقلاب سے سرمایہ دارانہ صنعتی ترقی کا آغاز ہوا۔ صنعتی ترقی کی بنیاد بھاری صنعتوں (ذرائع پیداوار) کا قیام ہے۔ سرمایہ دارانہ صنعت کی ترقی سرمایہ داروں کی منافع خوری کی بھڑکتی ہوئی خواہش کا ایک خودرو عمل ہے۔ بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ صنعت کا یہ عمل اشیائے ضرورت کو پیدا کرنے کی صنعتوں یعنی ہلکی صنعتوں کے قیام

سے جاری ہوتا ہے کیوں کہ ان صنعتوں کے قیام میں سرمایہ کی گردش اور منافعوں کی آمدنی تیزی سے ہوتی ہے اور کچھ عرصے بعد بھاری اور بنیادی صنعتوں کا قیام عمل میں آنے لگتا ہے اور ہلکی صنعتوں سے کمائے ہوئے منافعوں کے ذریعہ یہ بھاری صنعتیں قائم ہوتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ صنعتی ترقی میں کئی دہائیاں لگتی ہیں۔ انیسویں صدی کے اختتام تک صنعت اور نقل وحمل کے لیے بھاپ کا انجن استعمال ہوتا رہا۔ اس کے بعد مزید ترقی کے لیے یہ ناکافی ثابت ہوا تو ڈیزل اور گیس نے بھاپ کی جگہ لے لی اور پھر بعد میں بجلی نے آکر صنعتی ترقی کے عمل میں زبردست انقلاب برپا کر دیا۔

سرمایہ دارانہ صنعتوں کی ترقی اپنے تحت میں آئے ہوئے مزدوروں، کسانوں کے استحصال سے ہوئی اور اس ترقی میں نوآبادیات کے محنت کشوں کی لوٹ بھی شامل ہے۔ اس استحصال سے لاکھوں مزدوروں، کسانوں اور صنعت کاروں کے درمیان تضادات کا ہونا ناگزیر ہوگیا۔ سرمایہ دارنہ صنعت کی ترقی مختلف راستوں سے ہوئی۔ برطانیہ نے دوسو برس اپنے مقبوضات سے بے انداز منافع کمایا اور اپنے ملک کی صنعتی ترقی کو پروان چڑھایا۔ دوسرا راستہ جنگ کے بعد شکست خوردہ ملکوں سے فاتح ملکوں کا تاوانِ جنگ وصول کرنا تھا۔ مثلاً جرمنی نے جب فرانس کو 1870 میں شکست دی تو اس نے فرانس سے پانچ ارب فرانک تاوانِ جنگ وصول کیا۔ اور وہ رقم اپنی صنعتی ترقی کے لیے کام میں لایا۔ تیسرا راستہ سرمایہ دار ملکوں کو رعایتیں دے کر ان سے قرض حاصل کرنے کا ہے۔ زار روس نے صنعتی ترقی کا یہ راستہ اپنایا اور مغربی یورپ سے بھاری قرضے لے کر صنعتی ترقی میں لگائے۔

صنعتی انقلاب کے بعد بھی سرمایہ دار ملکوں میں آبادی کا ایک خاصہ حصہ پرانی طرزِ معیشت میں زندگی گزارتا ہے اور دقیانوسی طریقِ پیداوار کے ذریعہ بھی منافع کماتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سب عوام کے لیے ترقی نہیں ہوتی اور آبادی کا بہت بڑا حصہ ترقی کے فوائد سے محروم رہتا ہے۔

نئے شہروں اور صنعتی مراکز کا قیام

اور مزدور طبقہ کی جدوجہد کا آغاز

صنعتی انقلاب سے شہروں میں بہت ترقی ہوئی۔ان کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی اور نئے صنعتی مراکز قائم ہو گئے۔دیہات سے بھاری تعداد میں لوگ آ کر شہروں میں بس گئے، جس سے شہروں میں صنعتی مزدوروں کا طبقہ پیدا ہوا اور اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوا۔زمینوں سے بے دخل کیے ہوئے کسان اور تباہ حال دست کار ان کی صفوں میں آن ملے اور اس کے ساتھ ہی مزدور طبقہ کی حقوق طلبی کی جدوجہد کا آغاز ہوا۔

سرمایہ داری نظام میں بڑے پیمانے کے صنعتی اداروں کی بنیاد اجرتی مزدوروں کے استحصال پر ہے اور یہ استحصال مشینوں کے ذریعہ تبادلہ (اشیائے تجارت) پیدا کر کے کیا جاتا ہے۔مشینوں کے استعمال سے ایک طرف مزدوروں کی صلاحیت کار میں اضافہ ہوا اور دوسری طرف جنسِ تبادلہ کی قدر میں کمی واقع ہوئی، کیوں کہ مشینوں کی مدد سے اشیا کو کم وقت صرف کر کے پیدا کیا جانے لگا۔بہ الفاظ دیگر پہلے جتنا وقت صرف کر کے، بہت اشیا پیدا کی جانے لگیں۔اور مشینوں کے استعمال کا سارا فائدہ مشینوں کے مالکان یعنی صنعتکاروں کو ہوا جس سے ان کے منافعوں میں زبردست اضافہ ہوا۔

سرمایہ داری نظام میں مزدور بھوک سے مجبور ہو کر اپنی قوتِ محنت بیچنے لگے۔اس نظام میں مزدوروں کو یہ خطرہ ہر وقت رہتا کہ وہ ملازمت سے الگ نہ کر دیے جائیں۔اس لیے وہ سرمایہ داروں کی تمام سختیاں جو نظم وضبط کے نام سے روا رکھی جاتی ہیں، برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔مشینوں کا استعمال اگرچہ محنت کی سختی کو کم کر دیتا ہے اور مزدوروں کی صلاحیتِ کار کو بڑھاتا ہے، لیکن سرمایہ داری نظام میں یہی مشینیں مزدوروں کے استحصال کو شدید بھی کر دیتی ہیں۔شروع شروع میں جب مشینوں کے استعمال کا رواج ہوا، اس نے مشین مزدوروں کی جگہ لے لی اور اس سے لاکھوں کی تعداد میں مزدور دستکار بیکار ہو گئے۔جب ہندوستان میں مشینوں کا بنا ہوا کپڑا انگلستان سے آ کر بکنے لگا تو لاکھوں کی تعداد میں وہاں کے جولاہے بیکار ہو گئے اور بھیک منگے بننے پر ہو گئے۔

مشینوں کے استعمال سے چوں کہ محنت کی سختی کم ہو گئی، اس لیے عورتیں اور بچے بھی

فیکٹریوں میں کام کرنے لگے۔گو کہ عورتیں بچے وہی کام کرتے جو مرد کرتے تھے لیکن انہیں اجرتیں کم ملتی تھیں۔اس طرح صنعت کاروں کے منافع میں اور بھی اضافہ ہوا۔مشینوں کے استعمال سے سائنس کو پیداواری عمل میں استعمال کیا جانے لگا۔لیکن مزدوروں کی حیثیت مشینوں کے مقابلے میں ثانوی بن کر رہ گئی اور مزدور مشین پر ایک ہی قسم کا کام کرنے لگے، جس سے ان میں اکتاہٹ اور تھکاوٹ کا پیدا ہونا لازمی ہو گیا۔جہاں تک ذہنی کام کا تعلق تھا وہ ایک گروہ کی اجارہ داری بن کر رہ گیا۔یہ مخصوص گروہ انجینئروں اور سائنس دانوں کا تھا۔اس طرح ذہنی اور جسمانی کام کرنے والوں کے درمیان خلیج اور وسیع ہو گئی اور معاندانہ صورت اختیار کر گئی۔

مارکس نے اپنی کتاب ''سرمایہ'' میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مشین مزدوروں کی دشمن نہیں ہے بلکہ سرمایہ داری نظام پیداوار ان کا دشمن ہے، جس میں وہ مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گئے ہیں۔مشین سے کم وقت میں زیادہ پیداوار ملتی ہے لیکن سرمایہ داری نظام میں مزدور مقررہ وقت کے لیے کام کرتے ہیں اور اس وقت میں اپنی محنت سے جس قدر پیداوار ملتی ہے اس کا معاوضہ انہیں نہیں ملتا۔مشین محنت کی سختی کو کم کرنے کا آلہ ہے۔لیکن سرمایہ داری نظام میں یہی مشین مزدوروں کو تھکا مارتی ہے۔مشین پیدا کر کے انسان نے قدرت پر فتح حاصل کی ہے لیکن سرمایہ داری نظام میں مشین انسان کو غلام بنا لیتی ہے اور مشین مالکوں کے لیے منافعوں کا ڈھیر لگا دیتی ہے۔لیکن سرمایہ داری نظام میں مشینوں پر کام کرنے والے مزدور غریب رہتے ہیں۔

سرمایہ داری رشتوں کے آغاز ہی سے مزدوروں اور سرمایہ داروں میں طبقاتی جدوجہد کا آغاز ہوا اور اس وقت تک یہ جدوجہد جاری رہے گی جب تک یہ سرمایہ داری نظام قائم ہے۔سرمایہ داری نظام میں مشینوں کا استعمال صرف صنعت ہی میں نہیں ہوا بلکہ زراعت میں بھی مشین کا استعمال ہونے لگا۔اور زراعت میں مشین کے استعمال سے زرعی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا۔مشین بڑے قطعات اراضی میں استعمال کی جا سکتی ہے اور مہنگی بھی ہوتی ہے، اس لیے چھوٹے مالک کسان مشین سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔زراعت میں مشین کے استعمال سے چھوٹے مالک کسان بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالکان کا جو مشین سے کاشت کرنے لگے تھے، مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔

سرمایہ داری کا بنیادی معاشی قانون

جب سماج میں دستکاری سے آگے بڑھ کر وسیع پیمانے پر مشینی صنعت قائم ہوگئی تو سرمایہ داری طریق پیداوار سماج کا غالب طریق پیداوار بن گیا۔ اس نئے طریقِ پیداوار نے ترقی کی، اور پیداوار کی نئی نئی شکلیں سامنے آئیں اور اس طرح سماج میں سرمایہ دارانہ پیداواری رشتے قائم ہوکر غالب حیثیت اختیار کر گئے۔

کارل مارکس نے اس عمل کی تشریح یوں کی ہے کہ ''سرمایہ داری طریق پیداوار کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے کہ اس میں پیداوار کی مادی صورتیں سرمایہ اور زمین کی صورت میں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں جو خود کام نہیں کرتے جب کہ عوام کے پاس صرف قوتِ محنت ہوتی ہے''۔

سرمایہ داری پیداوار کی بنیاد اجرتی محنت پر ہے۔ اجرتی مزدور رعیتی غلامی کے رشتوں سے آزاد ہوکر اجرتی مزدور بنتے ہیں۔ لیکن اِس آزادی کے ساتھ جو وہ رعیتی غلامی سے نجات پا کر حاصل کرتے ہیں، وہ ہر قسم کے ذرائع پیداوار سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور بھوک انہیں مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی قوتِ محنت سرمایہ دار کے پاس فروخت کریں۔ سرمایہ داری کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صنعت کار سرمایہ دار اجرتی مزدوروں کا استحصال کرتا ہے اور اس میں اہم طبقاتی رشتہ مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ سرمایہ داری نظام کے سماج میں غالب ہو جانے سے اس سے قبل کی پیداواری قوتیں اور پیداواری رشتے ختم ہو جاتے ہوں بلکہ آج بھی سرمایہ دارانہ پیداواری رشتوں کے پہلو بہ پہلو جاگیرداری نظام پیداوار، غلامی کے نظام کی پیداوار کی باقیات موجود ہیں۔

سرمایہ دار ملکوں میں جہاں ایک طرف بڑے پیمانے کی صنعتیں موجود ہیں، وہاں ہی چھوٹے کسان اور چھوٹے پیمانے کی صنعت بھی موجود ہے۔ اور دست کار اور کسان اپنی قوتِ محنت سے جو چھوٹے موٹے ذرائع پیداوار اُن کے پاس موجود ہیں انہیں کام میں لا کر اپنے زندہ رہنے کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے پیمانے کی صنعت اور زراعت سرمایہ داری نظام پیداوار کے تابع

ہے اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں، بینکوں کے مالکوں اور بڑے تاجروں کے ہاتھوں ان کا استحصال جاری رہتا ہے۔

سرمایہ داری نظامِ پیداوار اپنی نشوونما کے دوران دو مرحلوں میں سے گزرتا ہے۔ پہلا مرحلہ اجارہ داری سے قبل کا ہوتا ہے اور دوسرا اجارہ داری کا۔ لیکن سرمایہ داری کی ترقی کا معاشی قانون ان دونوں صورتوں پر حاوی اور جاری رہتا ہے۔

روپیہ (زر) کس طرح سرمایہ بنتا ہے

ہر سرمایہ دار اپنا کاروبار روپے سے شروع کرتا ہے لیکن روپیہ (زر) خود سرمایہ نہیں بنتا۔ مثلاً سماج میں جب صنعت ابھی دستکاری کی منزل پر تھی، اُس وقت ہر دستکار جو شئے پیدا کرتا تھا، اس کے تبادلے میں اپنی ضرورت کے لیے اشیا حاصل کرتا تھا۔ اگرچہ تبادلہ روپیہ یعنی زر کے وسیلے سے ہوتا تھا لیکن اس وقت روپیہ (زر) سرمایہ نہیں بنا تھا۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ موچی اپنا بنایا ہوا جوتا گاہک کے پاس فروخت کر کے جو روپیہ حاصل کرتا تھا، اس روپے سے وہ اپنی ضرورت کے لیے گندم خرید لیتا تھا یعنی اس منزل پر دستکار اشیا کو اس لیے بیچتا تھا کہ اس کے بدلے میں دوسری اشیا حاصل کر سکے۔

روپیہ (زر) سرمایہ اُس وقت بنتا ہے جب اس کی مدد سے دوسروں کی قوتِ محنت خریدی جا سکے۔ اور اس دوسری منزل پر تبادلے کا یہ اصول قرار پاتا ہے کہ روپے سے اشیا خریدی جاتی ہیں اور ان کو بیچ کر روپیہ بنایا جاتا ہے۔ روپے سے اشیا کی خریداری اس مقصد سے کی جاتی ہے کہ ان اشیا کو پھر سے بیچ کر زیادہ روپیہ حاصل کیا جائے۔ اور اس طرح زر کی گردش عمل میں آتی ہے۔ لیکن زر کی یہ گردش بے معنی اور بے مقصد ہوگی اگر ہر سودے میں روپے سے اشیا خریدنے اور پھر اِن اشیا کو بیچنے سے پہلے سے زیادہ روپے حاصل نہ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زر کی گردش کا مطلب یہ ہے کہ اس گردش سے زیادہ روپیہ (زر) حاصل ہو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زر کی اس گردش کے دوران زر میں اضافہ کیسے ہوتا ہے۔

کیوں کہ زر کا یہ اضافہ ہی تو سرمایہ بنتا ہے۔ سرمایہ دار دانش ور کہتے ہیں کہ گردش کے دوران زر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ بات اس لیے کہتے ہیں کہ سرمایہ جمع ہونے کی اصل حقیقت عوام کی نظروں سے اوجھل رہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر دکاندار اشیا فروخت کرتے وقت اپنی قیمت خرید میں دس فی صدی کا اضافہ کر کے فروخت کرے تو جب وہ اشیا خریدے گا تو اس کو بھی اسی اضافہ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کا بیچنے والا دکاندار اپنی اشیا اس کے ہاتھ بیچتے وقت کرے گا۔ اور اس طرح جب وہ ایک سال بعد حساب جوڑے گا تو منافع صفر ہوگا۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ منافع کہاں سے آتا ہے۔ کیوں کہ یہی منافع جمع ہو کر سرمایہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ دار بننے کے لیے منڈی سے کوئی ایسی شئے خریدے جسے جب استعمال کیا جائے تو وہ ایک ایسی شئے (قدر) پیدا کرے جو اُس کو خریدتے وقت جو دام دیے گئے ہیں، اس سے زیادہ فروخت کے وقت حاصل کرے۔ اور یہ شئے انسان کی قوتِ محنت ہے۔

ہر سماج کی بنیاد قوتِ محنت ہے کیوں کہ اس کے بغیر سماج کے قیام، زندگی اور اس کی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی قوتِ محنت سرمایہ داری میں جنسِ تجارت بن جاتی ہے جسے منڈی میں روپیہ دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داری دراصل جنسِ تجارت (یعنی اشیا کا تبادلہ) کو پیدا کرنے کی وہ منزل ہے جس میں قوتِ محنت خود جنسِ تبادلہ بن جاتی ہے۔

جب ایک سرمایہ دار مزدور کی قوت محنت خریدتا ہے تو وہ مزدور کی قوتِ محنت کا مقررہ وقت کے لیے مالک بن جاتا ہے اور اس وقتِ محنت کو پیداواری عمل میں استعمال کرتا ہے۔ ہر مزدور کو اپنی قوتِ محنت قائم رکھنے کے لیے خوراک، پوشاک اور دوسری بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ ان بنیادی ضرورتوں کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جتنی اجرت اُسے مقررہ وقت کے لیے اپنی قوتِ محنت بیچنے پر ملتی ہے، اس سے وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرتا ہے۔ لیکن اس مقررہ وقت میں وہ جو اشیا پیدا کرتا ہے۔ ان کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جو اُسے اپنی قوتِ محنت کے بیچنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں کا فرق ہی دراصل وہ زائد قدر ہے جو سرمایہ کی شکل میں ڈھلتی ہے۔

ہر شئے کو پیدا کرنے کے لیے جتنا لازمی وقت خرچ ہوتا ہے، اسی سے قوتِ محنت کی قدر متعین ہوتی ہے۔ اس سے زائد وقت میں جتنی اشیا پیدا ہوتی ہیں، وہ زائد قدر کی صورت میں قوتِ محنت خریدنے والے کا سرمایہ بن جاتی ہیں۔

سرمایہ داری نظام پیداوار میں صلاحیتِ کار اور کارکردگی کا بہتر ہونا ضروری ہے تاکہ مزدور مقررہ وقت میں سے تھوڑے وقت میں اتنی پیداوار کرے جو اُس کی اجرت کے برابر ہو، اور باقی وقت میں جو پیداوار مزدور کرے وہ زائد قدر کی صورت میں وجود میں آئے۔ فرض کیجیے کہ اوسطاً ایک گھنٹے میں ایک مزدور جتنی اشیا پیدا کرتا ہے، وہ پانچ روپے کے برابر ہیں۔ آٹھ گھنٹے میں وہ جو اشیا پیدا کرے گا وہ چالیس روپے کے برابر ہوں گی۔ جب کہ اُسے جو اجرت آٹھ گھنٹے کے لیے دی گئی ہے وہ دس روپے ہے تو تیس روپے کی جو اشیا اس نے زائد پیدا کی ہیں، وہی اصل منافع ہے جو جمع ہو کر سرمایہ بنتا ہے۔

سرمایہ داری کا بنیادی معاشی قانون

زائد قدر پیداوری عمل کے دوران حاصل ہونے والی پیداوار کا وہ حصہ ہے جو اجرتی مزدور کی اپنی قوتِ محنت کی قدر (اجرت) سے زائد ہوتا ہے اور جسے وہ سرمایہ دار جس نے اس کی قوتِ محنت اجرت کے بدلے میں خریدی ہوتی ہے، ہتھیا لیتا ہے اور اس کا کوئی حصہ مزدور کو نہیں دیتا۔ حالاں کہ پیداوار کا یہ حصہ بھی مزدور کی اس قوتِ محنت سے وجود میں آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زائد قدر مزدور کی اس قوتِ محنت سے حاصل ہوتی ہے جس کا کوئی معاوضہ یا اجرت اُسے سرمایہ دار ادا نہیں کرتا۔

سرمایہ داری نظام پیداوار میں کام کے گھنٹے دو حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ لازمی وقت کا، دوسرا زائد وقت کا۔ لازمی وقت وہ ہے جس میں مزدور اپنی قوتِ محنت کی قدر یعنی اجرت کے مساوی پیدا کرتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ جس میں وہ اس سے زائد پیداوار کرتا ہے اور یہ وقت یا ٹائم زائد قدر کہلاتا ہے۔ اور اسی ٹائم میں حاصل کی ہوئی پیداوار زائد قدر کہلاتی ہے۔

سرمایہ داری میں محنت کے عمل کے دو خواص ہیں: اول یہ کہ مزدور کو سرمایہ داری کی نگرانی

میں کام کرنا پڑتا ہے۔دوم یہ کہ صرف مزدور کی محنت ہی سرمایہ دار کی نہیں ہوتی بلکہ اس محنت سے مقررہ وقت میں جو کچھ وہ پیدا کرتا ہے، وہ بھی سرمایہ دار کا ہوتا ہے۔

سرمایہ داری نظامِ پیداوار کا مقصد زائد قدر کا پیدا کرنا ہے۔اس لیے اس نظام میں اسی قوتِ محنت کی قدر ہے جو زائد قدر پیدا کرے۔وہ محنت جو زائد قدر پیدا نہ کرے سرمایہ داری کے لیے ناکارہ اور بے کار ہے۔

غلامی اور جاگیرداری عہد میں استحصال کی ہر صورت ظاہر اور واضح تھی۔سرمایہ داری عہد میں استحصال کی صورتیں پوشیدہ ہیں۔بظاہر نظر آتا ہے کہ سرمایہ دار بے روزگاروں کو روزگار مہیا کر رہا ہے اور انھیں کام پر لگا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ ان کی قوتِ محنت خرید کر اُن کا استحصال کرتا ہے۔ کیوں کہ اُن کی قوتِ محنت سے پیدا کی ہوئی پیداوار کا بہت کم حصہ ان کو ملتا ہے اور باقی ساری کی ساری سرمایہ دار اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔

یہ زائد قدر سرمایہ دار طبقے کے مختلف گروہوں اور افراد میں بٹتی ہے۔اس میں صنعت کار کا بھی حصہ ہوتا ہے، تاجر اور دکاندار کا بھی، اور بینک کا بھی۔گویا کہ منافع حصہ اور سود کی شکل میں جو کچھ تقسیم ہوتا ہے وہ مزدور کی پیدا کردہ زائد قدر ہے جس کا کوئی معاوضہ یا اجرت اُسے نہیں دی گئی ہے۔سرمایہ داری نظام پیداوار کا بنیاد معاشی قانون زائد قدر کی پیداوار ہے جو منافع کی صورت اختیار کر کے سرمایہ میں ڈھلتی رہتی ہے۔اگر کسی پیداواری عمل میں زائد قدر نہ ہو تو اُسے غیر منافع بخش کہہ کر ترک کر دیا جاتا ہے۔

سرمایہ دار زائد قدر سے حاصل کیے ہوئے سرمایہ کا ایک حصہ اپنی عیاشی پر خرچ کرتا ہے اور باقی دوبارہ پیداواری عمل میں لگا دیتا ہے۔اور اس طرح وہ منافع کی ہوس میں سماج کا بھیڑیا بن جاتا ہے۔جس کی بھوک انسانی قوت کا استحصال کر کے مٹنے کے بجائے بڑھتی اور بھبکتی ہے۔

مارکس کے معاشی نظریہ کی بنیاد زائد قدر کا نظریہ ہے اور مارکس نے اسے دریافت کر کے سرمایہ داری نظام کے استحصال کا پردہ چاک کر ڈالا ہے۔مارکس نے بورژوا دانش وروں کے نظریات کی تمام عمارت ڈھا دی ہے اور مزدور طبقے کے ہاتھ میں انقلاب کا ہتھیار دے دیا ہے۔

کام کے اوقات مقرر کرانے کی جدوجہد

زائد قدر بڑھانے کے لیے سرمایہ دار کام کے گھنٹے بڑھا دیتا ہے۔اگر ممکن ہو تو وہ مزدوروں سے چوبیس گھنٹے کام لے۔لیکن یہ ہو نہیں سکتا کیوں کہ مزدور کو کھانے اور سو کر تازہ دم ہونے کے لیے وقت درکار ہے بلکہ اُسے تفریح اور میل ملاقات کے لیے بھی وقت چاہیے۔سرمایہ دار کو زائد قدر (منافع) سے غرض ہے۔اس لالچ میں اُسے مزدور کی صحت اور زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔شروع شروع میں مزدوروں سے اٹھارہ گھنٹے کام لیا جاتا تھا۔بعد ازاں پہلی عالمی جنگ تک دس گھنٹے یومیہ کا کام لیا جاتا رہا۔سرمایہ داروں نے آٹھ گھنٹے کا دن تو سوویت انقلاب کے بعد ہی تسلیم کیا ہے۔اب سرمایہ دار کام تو آٹھ گھنٹے یومیہ لیتے ہیں لیکن ان آٹھ گھنٹوں میں مزدوروں سے پہلے سے زیادہ مشینیں چلواتے ہیں اور مشینوں کی کارکردگی بھی بہتر کر لی گئی ہے اور ان دونوں وسیلوں سے وہ آٹھ گھنٹے میں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ پیداوار کرا لیتے ہیں اور اس طرح زائد قدر میں اضافہ کر لیتے ہیں۔

کام کے گھنٹے مقرر کرانے کی جدوجہد مزدوروں کی بہت پرانی جدوجہد ہے اور سالہا سال کی جدوجہد کے بعد ان کا آٹھ گھنٹے کا مطالبہ تسلیم کیا گیا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں طبقات کی صورت

بورژوا ریاست

سرمایہ داری میں خاندانی مراعات اور اثر و رسوخ ختم کر دیا گیا اور ان کی جگہ روپے نے لے لی۔اب ہر کام روپے کی برکت سے ہونے لگا۔اس نظام میں مزدور اور سرمایہ دار طبقے آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔سرمایہ دار وہ طبقہ ہوتا ہے جس کے پاس ذرائع پیداوار ہوں جن کی مدد سے وہ ہزاروں مزدوروں کا استحصال کرنے پر قادر ہو۔

اس سماج میں سرمایہ دار حکمران طبقہ ہوتا ہے۔مزدور ہر قسم کے ذرائع پیداوار سے محروم اور اور اپنی روزی کے لیے اپنی قوتِ محنت بیچنے پر مجبور ہوتا ہے۔اپنی اس سماجی حیثیت کی وجہ سے یہ

سماج کا سب سے زیادہ انقلابی طبقہ ہے۔

سرمایہ داری نظام میں مزدور اور سرمایہ دار دونوں بنیادی طبقات ہیں۔ان دونوں کا وجود لازم ملزوم ہے۔سرمایہ دار اُن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، نہ منافع کما سکتا ہے۔اسی طرح مزدور بھی ان کے بغیر اس نظام میں زندہ نہیں رہ سکتے۔لیکن یہ دونوں طبقات ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ان کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور ان میں کبھی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

جوں جوں سرمایہ داری نظام نشو ونما پاتا ہے، توں توں ان ہر دو طبقات کے درمیان خلیج وسیع ہوتی جاتی ہے اور اُن کا تضاد بڑھتا جاتا ہے۔ان کے علاوہ اس سماج میں کسان اور جاگیردار بھی ہیں اور یہ طبقات جاگیرداری سماج کی باقیات ہیں۔

سرمایہ دار ریاست، سرمایہ داروں کے ہاتھ میں محنت کشوں مزدوروں اور کسانوں کو دبانے کا ہتھیار ہے۔یہ ریاست سرمایہ داروں کی، ان کے ذرائع پیداوار کی، اور نجی ملکیت کی حفاظت کرتی ہے اور محنت کشوں کی جدوجہد کو جو وہ سرمایہ داری کے خلاف کرتے ہیں، جبر واور زبردستی سے دباتی ہے۔

چوں کہ مٹھی بھر سرمایہ داروں کے استحصالی مفادات محنت کش عوام کے مفادات سے ٹکراتے ہیں اور ریاست سرمایہ داروں کے مفادات کی حفاظت کرتی ہے، اس لیے ریاست کی طبقاتی حیثیت کی پردہ پوشی کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔حکمران سرمایہ دار طبقہ کے لوگ سیاست اور ثقافت میں منافقت سے کام لیتے ہیں اور ریاست کو طبقات سے بالا دکھاتے ہیں اور اسے جمہوری ادارہ بتاتے ہیں۔اور اسے ''عوام کے نمائندوں کی حکومت، عوام کے لیے'' کا نام دے کر عوام کو فریب دیتے ہیں۔سرمایہ داری نظام میں جمہوریت، آزادی اور مساوات صرف سرمایہ دار طبقہ کے لیے ہوتی ہے کیوں کہ اس نظام کی معیشت اور نظامِ سیاست میں سوائے لوٹ، عدم مساوات اور جمہور کشی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔البتہ عوام کے بھوکے مرنے اور جاہل رہنے کی آزادی ضرور ہوتی ہے۔

سرمایہ داری نظام میں ریاست پر سرمایہ دار طبقے کا قبضہ ہوتا ہے اور ریاست کی مشینری یعنی فوج، پولیس، عدالتیں اور جیل خانے اس طبقے کے مفادات کی حفاظت کے لیے استعمال ہوتے

ہیں۔اور اس کے علاوہ ابلاغ کے تمام ذرائع اور تعلیم کے تمام ادارے سرمایہ داری نظام کو ازلی ابدی اور بہتر ثابت کرنے اور اس نظام کی لوٹ اور جبر پر پردہ ڈالنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم اور کتابیں اسی مقصد کے لیے تیار کی جاتی ہیں اور مولویوں سے خطبے دلائے جاتے ہیں۔

اس نظام میں ریاست، سرمایہ داروں کا انتظامی ادارہ ہے۔اس کا آئین اسے معاشی اور سیاسی استحکام دینے کے لیے وہ بنایا جاتا ہے جو استحصال کرنے والے طبقات کے لیے فائدہ مند اور ان کے منافعوں اور مراعات وحقوق کا محافظ ہو۔آئین میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے حق کی حفاظت کی جاتی ہے جو سرمایہ داری نظام کی بنیاد ہے۔

سرمایہ داری نظام میں سیاسی نظام مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے لیکن ہر سیاسی نظام کی اصل سرمایہ داروں کی آمریت ہوتی ہے۔

اس نظام میں محنت کش طبقہ جوں جوں باشعور ہوتا ہے، اپنے طبقاتی مفادات کو پہچاننے لگتا ہے تو وہ متحد ومنظّم ہو کر سرمایہ داروں کے خلاف صف آرا ہو جاتا ہے۔سرمایہ داری نظام کے خلاف جدوجہد میں تمام محنت کش عوام کی رہنمائی کرتا ہے۔مزدور طبقے کا یہ کام ہے اور اس پر یہ تاریخی ذمہ داری نظام معیشت میں اس کی سماجی حیثیت نے ڈالی ہے جس میں وہ جدید طریقِ پیداوار کا سب سے زیادہ جدید طبقہ ہے۔یہ طبقہ کسانوں کو ساتھ لے کر سرمایہ داری نظام پر دھاوا بول دیتا ہے اور اس نظام کو مٹا کر نیا سوشلسٹ نظام تعمیر کرتا ہے۔

اجرت

سرمایہ داری نظام میں ہر جنسِ تجارت کی طرح قوتِ محنت کی بھی قیمت ہے۔اور قوتِ محنت کی قیمت کو اجرت کہتے ہیں۔اجرت انسان کی قوتِ محنت سے پیدا ہونے والی اشیا کی قیمت سے بہت کم ہوتی ہے۔بلکہ قوتِ محنت سے پیدا ہونے والی اشیا کی قیمت کا معمولی حصہ ہوتی ہے۔ سرمایہ دار ایک مزدور کی قوتِ محنت آٹھ گھنٹے کے لیے خریدتا ہے۔اس مقررہ وقت کے پہلے دو گھنٹے

میں مزدور جو پیدا کرتا ہے وہ سرمایہ دار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مزدور کو آٹھ گھنٹے کام کرنے کی پوری اجرت مل گئی ہے حالاں کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ وہ آٹھ گھنٹوں میں اجرت سے کئی گناہ زیادہ پیدا کرتا ہے جو اسے آٹھ گھنٹے کام کرنے کی عوض ملتی ہے۔

اجرت کی صورتیں

اجرت کی دو بنیادی صورتیں ہیں۔ یعنی،

1۔ یومیہ یا ماہانہ اجرت

2۔ کام کی مقدار کے حساب سے اجرت

پہلی صورت میں اجرت وقت کے حساب سے شمار کی جاتی ہے اور دوسری میں کام کے حساب سے۔ سرمایہ دار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کام کے گھنٹوں کو بڑھائے یا زیادہ کام لے اور جوں جوں کام کے گھنٹے بڑھتے ہیں اور کام بڑھتا ہے، اسی نسبت سے مزدوروں کے استحصال میں اضافہ ہوتا ہے۔ مزدور زیادہ اجرت یا بونس حاصل کرنے کے لیے زیادہ کام کرتا ہے اور اس طرح اس کا زیادہ استحصال ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا زیادہ کام یا زیادہ گھنٹوں کی ملازمت بظاہر اُسے زیادہ اجرت دلاتی ہے لیکن حقیقت میں سرمایہ داروں کی آمدنی میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

سرمایہ داری نظام میں مزدوروں کو اجرت روپے کی صورت میں ملتی ہے۔ روپیہ کی صورت میں ملنے والی اجرت حقیقی اجرت نہیں ہوتی کیوں کہ روپیہ کی صورت میں ملنے والی اجرت سے ہر مزدور اپنے کنبے کے لیے ضروریات زندگی کی اشیا خریدتا ہے۔ اس کی حقیقی اجرت وہ اشیا ہیں جو اسے روپے کی صورت میں ملنے والی اجرت سے خریدنی پڑتی ہیں۔ اس لیے بنیادی اجرت کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ حساب لگایا جائے کہ ایک مزدور کو جس کا پانچ افراد کا کنبہ ہے، خوراک، پوشاک، علاج، تعلیم اور رہائش کے لیے کتنے روپے صرف کرنے پڑتے ہیں۔ چوں کہ ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے روپے کی صورت میں ملنے والی اجرت خواہ ایک ہی سطح پر رہے، ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافے سے اس کی حقیقی

اجرت گھٹتی رہتی ہے۔

سرمایہ داری نظام پیداوار میں اجرت کا عام قانون یہ ہے کہ جوں جوں سرمایہ داری نشوونما پاتی ہے، اس میں اجرت بڑھتی نہیں ہے بلکہ کم ہوتی ہے۔ کیوں کہ جس نسبت سے اشیا کی قیمتیں بڑھتی، ہیں اُس نسبت سے اجرت کبھی نہیں بڑھتی۔

سرمایہ داری نظام میں بے روزگاری ضروری ہے اور بے روزگاری سرمایہ داروں کو موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ مزدوروں کی قوتِ محنت سستے داموں یا کم اجرت پر خرید سکیں۔

مشینوں کی ترقی کی وجہ سے بچے اور عورتیں بھی ان پر کام کرنے لگتے ہیں۔ سرمایہ دار مردوں کی جگہ اُن سے کام لینے لگتے ہیں اور انہیں مردوں سے کم اجرت دیتے ہیں۔ یہ صورت خود مزدوروں کے استحصال کا ذریعہ بنتی ہے۔

سرمایہ داری نظام میں اکثر مزدور کرائے کے مکانوں میں رہتے ہیں اور مکانوں کا کرایہ بھی اُن کے استحصال کا ذریعہ ہے۔ ٹیکس بھی اُن کے استحصال کا ذریعہ ہے۔ بالواسطہ ٹیکسوں کا سارا بوجھ مزدوروں پر پڑتا ہے۔ ان کی اجرت کا خاصہ حصہ ٹیکسوں کی صورت میں چلا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ مزدوروں کو جو اجرت روپے کی صورت میں ملتی ہے اس میں سے قیمتوں میں اضافے، کرایوں اور ٹیکسوں کی وجہ سے خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے اور انہیں حقیقی اجرت بظاہر ملنے والی اجرت سے بہت کم ملتی ہے۔

سرمایہ داری نظام میں مزدوروں کو زندہ رہنے کے لیے جتنی اشیا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ہی کے حساب سے اُن کی اجرت متعین ہوتی ہے کیوں نکہ اس سے کم اجرت پر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ مزدور اپنی اجرت بڑھوانے کے لیے سرمایہ داروں سے مطالبہ کرتے ہیں اور سرمایہ دار اُن کی اجرت کم کرنے کے راستے تلاش کرتے ہیں تا کہ ان کے منافع نہ صرف برقرار رہیں بلکہ بڑھیں۔ یہ تضاد مزدوروں کی جدوجہد کو جنم دیتا ہے اور وہ ٹریڈ یونینوں میں منظّم ہو کر اجرتوں میں اضافے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ٹریڈ یونینیں مزدوروں کی جدوجہد کے لیے سکولوں کا کام دیتی ہیں۔ اور بالآخر ملکی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر مزدوروں کی تنظیمیں وجود میں آتی ہیں۔

سرمایہ دار بھی اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تنظیم قائم کرتے ہیں اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ وہ مزدوروں کو رشوت دے کر خریدتے ہیں اور اُن کی پاکٹ ٹریڈ یونین قائم کرتے ہیں۔ پولیس، فوج، عدالتوں اور جیل خانوں کو مزدوروں کے دبانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مزدوروں کا سب سے مؤثر ہتھیار ہڑتال ہے۔ جب مزدور مستقل مزاجی سے ہڑتال کرتے ہیں تو بعض دفعہ سرمایہ داروں کو اُن کے مطالبے تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔ معاشی جدوجہد کے دوران مزدوروں کا شعور بڑھتا ہے اور یہ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

معاشی جدوجہد سرمایہ داری نظام کے اثرات کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ اثرات کے اسباب دور کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ سرمایہ داری نظام کے استحصال اور جبر کا باعث سرمایہ داری طریقِ پیداوار ہے اور جب تک یہ طریقِ پیداوار نہیں بدلتا اور جب تک ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا قانون جو اس طریقِ پیداوار کی حفاظت کرتا ہے، ختم نہیں ہوتا، سرمایہ داری کا استحصال اور جبر قائم رہے گا۔

قومی آمدنی

ہر ملک میں ہر سال قومی آمدنی کا حساب لگایا جاتا ہے اور اسے کل آبادی پر تقسیم کر کے فی کس آمدنی نکالی جاتی ہے۔ سرمایہ دار ملکوں میں فی کس آمدنی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ واقعی ہر کس کی آمدنی اتنی ہی ہے جتنی اس طریقہ سے بنتی ہے۔ خاص کر نو آزاد ملکوں میں تو آبادی کے بیشتر حصہ کی سالانہ آمدنی اس فی کس آمدنی سے بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخری قومی آمدنی ہے کیا شئے؟۔

قومی آمدنی کسی ملک کی تمام وہ مادی دولت ہے جو ایک سال میں اس ملک میں پیداوار کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کھیتوں میں کسان زرعی اجناس کی صورت میں اور کارخانوں میں مزدور مصنوعات کی صورت میں پیدا کرتے ہیں۔ پیداوار مادی پیداوار کے شعبوں یعنی زراعت

صنعت وغیرہ میں ہوتی ہے۔ غیر پیداواری شعبوں میں یعنی ریاستی اقتدار کے مختلف محکموں، تجارتی اداروں، فرموں اور تفریح گاہوں وغیرہ میں مادی پیداوار نہیں ہوتی۔ اس لیے اس قسم کے ادارے اور فرمیں پیداواری شعبوں سے تعلق نہیں رکھتے اور قومی پیداوار میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کرتے۔

سرمایہ دار ملکوں میں آبادی کا ایک حصہ سماجی پیداوار کے عمل میں کوئی حصہ نہیں لیتا اور قومی آمدنی میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کرتا۔ یہ لوگ استحصالی طبقوں (صنعت کاروں، بینکوں کے مالک اور جاگیرداروں) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ فوج، پولیس اور افسر شاہی جو سرمایہ داری کے استحصالی نظام کو قائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں وہ بھی سماجی پیداواری عمل اور قومی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

سرمایہ دار ملکوں میں لوگوں کا ایک ایسا حصہ بھی ہے جو بظاہر مختلف کاموں میں مصروف نظر آتا ہے۔ لیکن یہ کام سماج کے لیے مفید نہیں اور نہ ہی ان کاموں سے ملک کی قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اشتہار بازی، سٹہ وغیرہ سب ایسے ہی کام ہیں۔

سرمایہ دار ملکوں میں بیکار مزدوروں اور بیروزگاروں کی خاصی تعداد ہر وقت موجود رہتی ہے۔ جو صلاحیتِ کار رکھتے ہوئے بھی سماج کے پیداواری عمل میں حصہ لینے سے محروم رہتے ہیں۔ انسانی قوتِ محنت کا یہ ضیاع سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہے۔

قومی آمدنی کی تقسیم

انسانی سماج کے ہر تاریخی دور میں پیداوار کے جو طریقے ہوتے ہیں، پیداوار کی تقسیم کو بھی وہی مرتب کرتے ہیں۔ سرمایہ دار ملکوں میں ذرائع پیداوار، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ملکیت ہوتے ہیں اس لیے قومی آمدنی کی تقسیم اسی حقیقت کے مطابق ہوتی ہے۔ حالاں کہ قومی آمدنی مزدوروں اور کسانوں کی قوتِ محنت سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا بڑا حصہ ذرائعِ پیداوار کے مالکان یعنی سرمایہ دار، جاگیردار لے لیتے ہیں اور اس میں سے معمولی سا حصہ وہ مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں کو اجرت کی صورت میں دیتے ہیں۔ قومی آمدنی کا بڑا حصہ جو

سرمایہ داروں کے ہاتھ لگتا ہے، اس کا کچھ حصہ صنعتی سرمایہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور باقی حصہ استحصالی طبقات کے مختلف گروہوں میں بٹ جاتا ہے۔ سود، کرایہ، منافع اور پتی اسی تقسیم کی مختلف صورتیں ہیں۔

مجموعی قومی آمدنی کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل شجرہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

مجموعی قومی آمدنی=100

30 فی صد قومی آمدنی (مشینوں کی گھسائی، خام مال کی خریداری، فالتو پرزوں کا حصول

بقیہ 70 فی صد قومی آمدنی میں سے:

مزدور کی اجرت	10 فیصد
زائد پیداوار	40 فیصد
صنعت کار کا منافع	10 فیصد
تاجر کا منافع	3 فیصد
سود	2 فیصد
کرایہ زمین وعمارت وغیرہ	5 فیصد

سرمایہ داری نظام میں دست کار اور چھوٹے مالک کسان بھی قومی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کی پیدا کردہ دولت کچھ اس طرح تقسیم ہوتی ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ وہ خود ہی رکھتے ہیں۔ باقی صنعت کاروں، تاجروں اور سودخوروں میں بٹ جاتا ہے۔ کسانوں اور مزدوروں کی آمدنی یعنی مجموعی قومی آمدنی سے جو حصہ بھی ان کو ملتا ہے وہ ان کی قوتِ محنت کا حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اُن کی کمائی ہے۔ سرمایہ داروں، جاگیرداروں کی آمدنیاں مزدوروں اور کسانوں کی قوتِ محنت سے پیدا کی ہوئی قومی دولت سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی آمدنیوں کو ان کی کمائی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے لوٹ مار کہنا چاہیے۔ مزدوروں اور کسانوں کی آمدنیاں ہیر پھیر سے ان ہی استحصالی طبقات کے پاس چلی جاتی ہیں۔ محنت کش سرکار کو بلاواسطہ ٹیکس ادا کرتے ہیں اور حکومت کو حاصل ہونے والا ٹیکس مختلف صورتوں میں سرمایہ داروں کی تجوریوں میں چلا جاتا ہے۔ حکومت ان

ٹیکسوں سے ریاستی مشینری اور اپنے ملازموں کو تنخواہیں دیتی ہے جس سے وہ اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیا خریدتے ہیں۔ محنت کش ٹیکس ادا کرنے کے بعد جو اُن کے پاس بچتا ہے اُس سے اپنے استعمال کی چیزیں خریدتے ہیں اور اس طرح تمام مجموعی قومی آمدنی ہر پھر کر استحصالی طبقوں یعنی سرمایہ داروں کے پاس چلی جاتی ہے۔

قومی آمدنی کا بڑا حصہ جنگی ضروریات پر خرچ ہوتا ہے: سرمایہ داری سماج میں قومی آمدنی کی تقسیم اس طرح عمل میں آتی ہے کہ اس کی صحیح صورت عوام کی نظروں اوجھل رہتی ہے۔ بورژوا دانش ور عوام کو بتاتے ہیں کہ سرکاری ملازمین اور دوسرے ایسے ہی افراد قومی آمدنی کے پیدا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ اور جہاں تک قومی آمدنی کا تعلق ہے اسے بھی عوام کے سامنے اس کی اصلی صورت میں پیش نہیں کرتے اور اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ قومی آمدنی کے اس حصے کو جو غیر پیداواری شعبوں میں تقسیم ہو کر خرچ ہوتا ہے، عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھیں۔

ریاستی بجٹ

سرمایہ داری سماج میں ریاست ایسا ادارہ ہوتی ہے جو استحصالی طبقات کی خدمت اور تحفظ کرتا ہے۔ اور مٹھی بھر استحصالی طبقات کی ایسی خدمات انجام دیتا ہے جن سے وہ بھاری اکثریت کا استحصال کر سکیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے فوج، پولیس، عدالتیں، جاسوسی کے محکمے اور انتظامیہ کے دوسرے محکمے ریاست ہی کی مشینری ہیں۔ اور عوام پر نظریاتی اثر ڈالنے کے لیے اخبارات، ریڈیو، فلم اور ملا و مولوی ان سب کا خرچ ریاستی بجٹ سے پورا کیا جاتا ہے۔ بجٹ کی رقوم ٹیکسوں اور قرضوں سے اکھٹی کی جاتی ہیں۔ کسی سرمایہ دار ملک کا اگر غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بجٹ قومی آمدنی کے ایک حصے کو استحصالی طبقوں کے مفادات پورا کرنے کا نام ہے۔ کارل مارکس نے سرمایہ دار ملکوں کے بجٹ کو طبقاتی بجٹ بلکہ سرمایہ داروں کے بجٹ کا نام دیا ہے۔ سرمایہ دار ریاست کے بجٹ کا زیادہ حصہ غیر پیداواری ہوتا

ہے کیوں کہ اس کا سب زیادہ حصہ جنگی ضرورتوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ نئے نئے مہلک ہتھیار بنائے جاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں سازشوں کے جال پھیلانے اور ملک کے اندر ریاستی مشینری کو مضبوط بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ وہ محنت کشوں کو دبائے رکھے۔ تعلیم، صحت اور ثقافت پر بہت کم خرچ کیا جاتا ہے۔ جہاں فوج پر نوے فیصد خرچ ہوتا ہے، وہاں تعلیم ،صحت اور ثقافت پر بہت ہی کم خرچ کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دار ملکوں میں حکومت کے بجٹ کی آمدنی ٹیکسوں سے ہوتی ہے۔ جو ٹیکس آمدنیوں پر لگتا ہے اسے بلاواسطہ ٹیکس کہتے ہیں۔ جو ٹیکس اشیا پر لگایا جاتا ہے وہ بالواسطہ کہلاتا ہے۔

پاکستان میں بجٹ کی آمدنی بالواسطہ ٹیکسوں سے ہوتی ہے۔ بالواسطہ ٹیکسوں سے اشیا کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور بالواسطہ ٹیکسوں کی ادائیگی درحقیقت بیشتر محنت کش ہی کرتے ہیں۔ سرمایہ دار طبقہ بلاواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ بھی محنت کشوں کے کندھوں پر منتقل کر دیتا ہے۔ سرمایہ دار اپنی اصل آمدنیاں اکثر چھپا لیتے ہیں اور مختلف حیلوں سے ٹیکسوں کی ادائیگی سے بچ نکلتے ہیں۔ اس طرح سرمایہ دار ملکوں میں مزدوروں کسانوں اور دوسرے محنت کشوں کی آمدنی کا 1/3 حصہ حکومت کے پاس چلا جاتا ہے۔

بجٹ کا دوسرا حصہ قرضے ہیں جو حکومت لیتی ہے اور ان کے ذریعہ بجٹ کا خرچ پورا کرتی ہے۔ ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے وہ مزید ٹیکس لگاتی ہے اور ان کا بوجھ محنت کشوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ حکومت اپنی آمدنی بڑھانے کا ایک اور راستہ اختیار کرتی ہے، وہ نوٹ چھاپنے کا عمل ہے۔ اس عمل سے افراط زر پیدا ہوتی ہے جس سے ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس کی چوٹ محنت کشوں اور کم آمدنی والوں پر پڑتی ہے۔

مختصر یہ کہ سرمایہ دار ملکوں میں ریاستی بجٹ دراصل وہ ہتھیار ہے جس سے ریاست محنت کشوں کو لوٹنے اور سرمایہ دار طبقوں کے منافعوں کو بڑھانے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اور اس ہتھیار کی مدد سے قومی آمدنی کو غیر پیداواری شعبوں میں خرچ کرتی ہے اور استحصال طبقوں کی لوٹ کو بڑھاتی ہے۔

خلاصہ

1۔ سرمایہ داری سماج میں قومی آمدنی سماج کی مجموعی مادی پیداوار کا نام ہے، جسے مزدور کسان اور دست کار پیدا کرتے ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں آبادی کا ایک قلیل حصہ پیداواری عمل میں حصہ نہیں لیتا اور ایک بڑا حصہ صلاحیت کار رکھتے ہوئے بھی پیداواری عمل میں حصہ لینے سے محروم رہتا ہے اور بے روزگار و بے کار رہتا ہے۔

2۔ سرمایہ داری سماج میں قومی آمدنی کی تقسیم اس طرح عمل میں آتی ہے کہ اس سے استحصالی طبقات امیر سے تر ہوتے ہیں اور محنت کش جو دراصل پیداوار کرتے ہیں، غریب سے غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

3۔ سرمایہ داری سماج میں قومی آمدنی کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ مزدوروں کو اجرت ملتی ہے۔ صنعت کاروں، بینک کے مالکوں، تاجروں اور زمین کے مالکوں کو حصہ، پتی، سود، منافع، کرایہ ولگان حاصل ہوتے ہیں۔

دست کار، چھوٹے مالک کسان جو کچھ پیدا کرتے ہیں، اس کا زیادہ حصہ بھی سرمایہ داروں سودخوروں اور تاجروں کے پاس چلا جاتا ہے۔

ریاستی بجٹ کے ذریعہ بھی سرمایہ داروں کے منافعوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

4۔ سرمایہ داری نظام میں بجٹ کا زیادہ حصہ غیر پیداواری شعبوں میں خرچ ہوتا ہے۔

معاشی بحران

بیسویں صدی کے آغاز سے جب بڑے پیمانے کی صنعت سرمایہ دار ملکوں میں قائم ہوئی سرمایہ داری نظام میں رہ رہ کر وقفے وقفے سے معاشی بحران نمودار ہونے لگے۔ سرمایہ داری نظام کے بحران زائد پیداوار کے بحران ہیں۔ یہ اس صورت میں ہوتے ہیں کہ اشیائے صرف کی فروخت میں کمی واقع ہونے لگتی ہے کیوں کہ اشیائے صرف کی پیداوار عوام کی قوتِ خرید سے بڑھ جاتی ہے۔ سرمایہ داری نظام میں عوام کی قوتِ خرید پیداواری رشتوں کے طفیل ایک حد سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے سے سرمایہ داروں کے گودام اشیائے صرف سے اٹ جاتے ہیں اور سرمایہ دار پیداوار گھٹانے کے لیے مزدوروں کی چھانٹیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح بے کاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ چھوٹے دکاندار تباہ ہو جاتے ہیں، لین دین رک جا تا ہے۔ تجارت ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے۔

معاشی بحران کے دوران محنت کش طبقہ تباہ حالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ داری نظام کا تضاد بے نقاب ہو جاتا ہے۔

سرمایہ داری نظام سے پہلے بھی معاشی بدحالیاں آتی رہی ہیں، جن کے اسباب خشک سالی ،سیلاب ،جنگیں اور وبائی بیماریوں پر مشتمل تھے لیکن سرمایہ داری نظام کی پیدا کردہ بدحالی اور پچھلی بد حالیوں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام کی بدحالی کھپت سے زیادہ پیداوار کے ہونے کے سبب وجود میں آئی ہے جب کہ پچھلی بدحالیاں پیداوار کی کمی کے سبب وجود میں آتی تھیں۔

معاشی بحران سرمایہ داری نظام میں اس لیے ناگزیر ہے کہ اس میں پیداواری عمل اجتماعی ہے اور پیداوار کی ملکیت نجی ہے۔ یہی وہ بنیادی تضاد ہے جس کے بطن سے سرمایہ داری نظام کا معاشی بحران جنم لیتا ہے۔ سرمایہ داری نظام میں دوسرا تضاد پیداوار کے نظام میں انارکی (نراجیت) کا ہوتا ہے کیوں کہ صنعت کار جس حد تک اس کی صنعت کا تعلق ہے، اسے نظم وضبط سے چلاتا ہے۔ لیکن صنعت میں نجی ملکیت ہونے کی وجہ سے بحیثیت مجموعی منصوبہ بندی کا فقدان ہوتا ہے۔ ہر صنعت کار زیادہ منافع کمانے کے لیے پیداوار بڑھاتا ہے۔ طریقۂ پیداوار کو بہتر بناتا ہے۔ نئی مشینیں کام میں لاتا ہے اور اس طرح منڈی میں پیداوار کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔ دوسرے صنعت کار بھی اپنے منافعوں کو برقرار رکھنے اور ان میں اضافہ کرنے کے لیے پیداوار بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چوں کہ عوام کی قوتِ خرید محدود رہتی ہے، اس لیے پیداوار اور صرف میں خلا پیدا ہو جاتا ہے اور پیداوار کی کھپت رک جاتی ہے۔

سرمایہ داری نظام کا بنیادی تضاد مزدوروں اور مل مالکوں کی کش مکش کی صورت میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ کیوں کہ سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ ذرائع پیداوار چند ہاتھوں میں سمٹ جاتے ہیں اور عوام کی بڑی اکثریت محنت کشوں کی صفوں میں شامل ہو جاتی ہے جو معاشی بحران کے دوران بے روزگاروں کی صفوں میں اضافہ کرنے کا سبب بنتی ہے۔ معاشی بحران سے نجات سرمایہ داری کے خاتمے پر ہی منحصر ہے۔

ہر آٹھ دس سال کے بعد سرمایہ دار دنیا میں معاشی بحران شدت اختیار کرتے رہے ہیں جو اپنے جلو میں بے روزگاری اور اجرتوں کی کمی کو بھی لاتے ہیں۔ اور اس کا زیادہ اثر زراعت پر پڑتا ہے کیوں کہ زرعی خام مال کی مانگ کم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے شدید نقصانات کا بوجھ کسانوں پر پڑتا ہے۔ زراعت کے میدان میں معاشی بحران کا اثر زیادہ دیرپا ہوتا ہے اور اس کا تمام تر بوجھ کسانوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

معاشی بحران کے بعد جب معاشی نظام کی بحالی کا دور شروع ہوتا ہے تو وہ خوش حالی کی پہلی سطح تک کبھی واپس نہیں لوٹتا اور معاشی بحران میں سرمایہ داری نظام کا وحشیانہ ظالم کردار بالکل

واضح ہو جاتا ہے جس کے سبب ایک طرف تو لاکھوں محنت کش بے روزگاری اور افلاس سے پریشان نظر آتے ہیں اور دوسری طرف اشیائے صرف کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں جنہیں خریدنے کی محنت کش عوام میں سکت نہیں ہوتی۔

معاشی بحران کے سماجی اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ بے روزگاری کا شکار ہو کر محنت کش محرومی اور مایوسی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ جرائم میں روز افزوں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ خودکشیوں کی خبریں روزانہ سنی جاتی ہیں۔ طبقاتی تضاد بڑھتا ہے اور طبقاتی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے۔ سرمایہ دار ریاست صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی مدد کے لیے منصوبے بناتی ہے لیکن محنت کشوں کی بدحالی کو دور کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ معاشی بحران سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دار ملکوں میں ریاست سرمایہ دار معیشت پر کنٹرول نہیں کرتی۔ لینن نے معاشی بحران کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''معاشی بحران سے ظاہر ہے کہ جدید سماج میں پیداوار میں اضافہ کر کے محنت کش عوام کی زندگی بہتر اور خوش حال بنائی جا سکتی ہے، بشرطیکہ زمین، فیکٹریاں اور کارخانے نجی ملکیت سے نکال لیے جائیں اور عوامی ملکیت میں دے دیے جائیں۔ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے خاتمے سے کروڑوں محنت کش عوام کو مسرت کی زندگی سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔''

جوں جوں سرمایہ داری نظام نشوونما پاتا ہے، ذرائع پیداوار چند ہاتھوں میں مجتمع ہوتے جاتے ہیں۔ چھوٹے مالک کسان اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے مالک تباہ ہو کر مزدوروں کی صفوں میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اس عمل سے محنت کشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ نظام اپنے گورکن محنت کشوں کی صورت میں پیدا کرتا رہتا ہے۔

مزدوروں کے نظریات یعنی مارکس ازم مزدوروں کو اتحاد اور طبقاتی جدجہد کی راہ دکھاتے ہیں اور وہ ان نظریات سے لیس ہو کر سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے خلاف جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں اور انقلاب برپا کر کے سرمایہ داری نظام کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ مارکس نے اس عمل کو درج ذیل خوب صورت الفاظ میں یوں بیان کیا:

''سرمایہ کی اجارہ داری طریقِ پیداوار کے لیے زنجیر بن جاتی ہے۔ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت اور پیداوار کے اجتماعی عمل کا باہمی تضاد ایسے نقطہ عروج پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں سرمایہ داری نظام میں ترقی کی گنجائش نہیں رہتی اور یہ نظام چٹخنے لگتا ہے۔ نجی ملکیت کے خاتمے کا وقت آن پہنچتا ہے جنگ کا بگل بجتا ہے اور لوٹنے والوں کا استحصال عمل میں آتا ہے اور سرمایہ داری نظام ختم ہو جاتا ہے''۔

اجارہ دار سرمایہ دار سماج

سرمایہ داری آزاد مقابلہ اور آزاد تجارت سے شروع ہوئی اور 1870 تک اسی کی یہ صورت ختم ہو گئی اور اس نے اجارہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ اور انیسویں صدی کے آخر تک اجارہ داری پوری طرح بن گئی۔

اجارہ دار سرمایہ داری یا سامراج، سرمایہ داری کی بلند ترین اور آخری سطح ہے۔ نشوونما کے اس تمام عہد میں پیداواری قوتوں نے ترقی پائی اور سرمایہ داری کا پیداواری نظام تمام دنیا پر چھا گیا اور یورپ و امریکہ کی سرمایہ دار حکومتوں نے دنیا کے تمام ملکوں پر زبردستی یا فریب سے قبضہ کر لیا اور ان ملکوں کے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا۔

اجارہ دار سرمایہ داری سے قبل سرمایہ داری نظام میں آزاد مقابلہ تھا اور اس وقت اس نظام کی خصوصیت یہ تھی کہ اشیائے مصنوعات برآمد کی جاتی تھیں لیکن جب سرمایہ داری اجارہ دار سرمایہ داری بن گئی تو سرمایہ برآمد کیا جانے لگا۔

زیادہ منافع کمانے کی خاطر سرمایہ برآمد کیا جاتا ہے۔ سرمائے کی برآمد دو صورتوں میں کی جاتی ہے۔ ایک تو حکومتوں کو قرضوں کی صورت میں یا دوسرے ملکوں میں صنعت، تجارت اور بینکوں میں سرمایہ لگا کر۔ سرمایہ داری کے دانش وراس برآمد کو امداد کا نام بھی دیتے ہیں۔ ان قرضوں اور امدادوں کی صورت میں سرمایہ برآمد کیا جاتا ہے۔ اس سے سرمایہ دار ملک عالمی سطح پر مضبوط ہوتے ہیں اور سرمایہ دار پر ان کی گرفت بڑھتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے سامراج کے دور میں آزاد مقابلے کی جگہ اجارہ داری غلبہ

حاصل کر لیتی ہے۔ اجارہ داری کی بالا دستی سے اجارہ دار اشیا کی من مانی قیمتیں وصول کرنے لگتے ہیں اور زیادہ منافع حاصل کرنے لگتے ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داری کا بنیادی قانونِ حرکت یہ ہے کہ آبادی کی اکثریت کا زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا دوسرے ملکوں پر غلبہ حاصل کر کے ان کی زیادہ سے زیادہ لوٹ کرنا، اور قومی معیشت کو جنگ کیے لیے ڈھال کر اور زیادہ منافع کمانا ہے۔ اجارہ دار سرمایہ داری کے آنے سے قبل سرمایہ داری میں آزاد مقابلہ ہوتا ہے۔ اس لیے منافع ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن اجارہ دار سرمایہ داری کے دور میں اجارہ دار سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ کمانے پر قادر ہوتے ہیں۔ زیادہ منافع حاصل کرنے کی خواہش ہی اجارہ دار سرمایہ داری کی نشوونما کا قانونِ حرکت ہے۔

اگر چہ سرمایہ داری نظامِ پیداوار کے عمل سے پہلے بھی وسیع سلطنتیں وجود میں آئی تھیں۔ لیکن سامراجی عہد میں نوآبادیات کی اہمیت کچھ اور ہو جاتی ہے کیوں نکہ اس عہد میں اصل دوڑ خام مال کے لیے مختلف ملکوں پر قبضہ کرنا ہے اور ان ملکوں میں سرمایہ بھی برآمد کیا جاتا ہے۔ اس لیے فوجی نقطہ نگاہ سے بھی علاقے زیر اثر کیے جاتے ہیں۔ اس عہد کی سرمایہ داری کا بنیادی معاشی قانون دوسرے ملکوں کو زیر نگیں کرنا ہے، تاکہ ان ملکوں کے عوام کو لوٹا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے نوآبادیاتی نظام وجود میں آیا جس کی بنیاد ہی بے رحمانہ لوٹ اور دباؤ پر رکھی گئی۔ اس عہد میں سرمایہ داری نظام تمام دنیا پر چھا گیا۔ سرمایہ دار ملکوں نے ایسے تمام ملکوں کو جو معاشی لحاظ سے پیچھے رہ گئے تھے، اپنی نوآبادیاں بنا لیا، یا اپنے سے وابستہ ملک بنا لیا، یا اپنے زیر اثر لے آئے۔ اس طرح ملکوں کی الگ الگ معیشت ایک ہی سلسلہ میں بندھ گئی اور دنیا دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ ان سرمایہ دار ملکوں پر مشتمل تھا جو اپنی نوآبادیوں کو لوٹنے لگے اور دوسرے حصے میں نو آبادیاں اور زیر اثر ممالک جن کے عوام کی وسیع اکثریت ان کی لوٹ کا شکار ہو گئی۔ اور پھر لوٹ کے خلاف سامراج دشمن جدوجہد کا آغاز ہوا۔ سامراجی طاقتوں کے درمیان بھی نوآبادیوں کی از سر نو تقسیم کے سوال پر اختلافات رونما ہوئے اور اس طرح دنیا میں پہلی بار سامراجی جنگوں کی بنیاد پڑی۔

قومی آزادی کی تحریک کی ابتدا

سامراجی عہد سے پہلے قومی آزادی کی تحریکیں یورپ کے صرف چند ممالک تک محدود تھیں۔ مثلاً آئرلینڈ کے لوگوں کی جدوجہد، پولینڈ اور ہنگری کے لوگوں کی جدوجہد، وغیرہ۔ لیکن سامراجی عہد میں نوآبادیات میں بھی قومی آزادی کی جدوجہد کا آغاز ہوا' اور اس کے نتیجے میں قومی آزادی کی جدوجہد اور نوآبادی نظام سے آزادی کی جدوجہد ایک ہو گئیں۔ البتہ نوآبادی ملکوں میں قومی آزادی کی تحریکوں میں نمایاں فرق اس وجہ سے تھا کہ کسی ملک میں معاشی ترقی کی سطح کیا ہے؟ اور اس ملک میں مزدور طبقے کی تعداد کتنی ہے؟ اس لیے ان ملکوں کو تین قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے:

1۔ ایسے محکوم اور نیم محکوم ملک جن میں صنعتی ترقی صفر کے برابر تھی اور مزدور طبقہ موجود نہیں تھا۔

2۔ ایسے محکوم ملک جن میں تھوڑی سی صنعت اور مزدوروں کی تھوڑی سی تعداد موجود تھی۔

3۔ ایسے محکوم ممالک جن میں سرمایہ داری نظام کسی حد تک ترقی پا چکا تھا اور مزدور خاصی تعداد میں موجود تھے۔

محکوم اور نیم محکوم ملکوں کے ان امتیازات کے سبب ایسے ملکوں میں قومی آزادی کی تحریکوں نے مختلف صورتیں اختیار کیں۔ ایسے ملکوں میں جن میں کسانوں کی تعداد زیادہ تھی قومی آزادی کی متحرک قوت کسان تھے، اور ان نوآبادیاتی ملکوں میں قومی آزادی کی تحریک کا مقصد سامراج کے سیاسی تسلط اور اثر سے نجات اور جاگیرداری نظامِ معیشت کا خاتمہ تھا۔ اس لیے ایسے ملکوں میں ہر وہ تحریک جو سامراج کے اثر اور تسلط سے نجات اور جاگیرداری دباؤ اور ظلم کے خلاف اٹھی، وہ ترقی پسند تھی۔

محنت کشوں کی بین الاقوامی تحریک کی بنیاد اس اصول پر قائم ہوئی کہ کوئی عوام جو دوسرے ملکوں کے عوام کو دبائیں اور استحصال کریں خود آزاد نہیں ہو سکتے۔ اس اصول کی بنیاد پر سامراجی ملکوں کے محنت کشوں کی سوشلزم کے لیے جدوجہد، اور محکوم اور نیم محکوم ملکوں کے عوام کی قومی آزادی کے لیے جد و جہد، ایک ہو گئی۔ کیوں کہ یہ دونوں ان کے مشترکہ دشمن سامراج کے خلاف جدوجہدیں تھیں۔ سامراج کے خلاف قومی آزادی کی تحریکوں نے سامراج کی جڑیں کھود ڈالیں اور اس کی شکست کے اسباب مہیا کیے۔

سامراج، سرمایہ داری کی آخری سطح

لینن نے کہا ہے کہ سامراج سرمایہ داری کی ایک تاریخی سطح ہے۔ لینن نے اس کے تین خواص بیان کیے:

1۔ سامراج اجارہ دار سرمایہ داری ہے۔

2۔ سامراج زوال پذیر سرمایہ داری ہے۔

3۔ سامراج سرمایہ داری کی شام اور اشتراکی انقلاب کی صبح ہے۔

سامراج میں سامراجی نظام کے تضادات بہت شدید ہو جاتے ہیں۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کا تضاد بڑھ جاتا ہے۔ سامراجی ملکوں اور محکوم و نیم محکوم ملکوں کا تضاد بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ سب تضادات سامراج کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیتے ہیں اور یہی اشتراکی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔

سامراجی ملکوں میں اجارہ دار سرمایہ داری کا ریاست پر قبضہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ریاست کی مشینری کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے کام میں لاتے ہیں۔ سرمایہ دار ملکوں میں سے کچھ ملک پہلے سرمایہ داری نظام میں داخل ہو گئے اور کچھ بعد میں۔ اس لیے یہ خود ان کی کم زوری کا سبب بن جاتا ہے اور ان کے آپس کے تضادات ان کے اتحاد کو کم زور کر دیتے ہیں اور اس بات کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ سامراجی زنجیر اسی جگہ سے ٹوٹ جائے جہاں وہ سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اور سامراجی عہد میں اس امر کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک یا چند ایک ملکوں میں اشتراکی انقلاب کامیاب ہوئے۔

سامراج کی خصوصیات

لینن نے سامراج کی یہ تعریف کی ہے کہ سامراج سرمایہ داری کے ارتقا کی بلند ترین صورت ہے اور اس کے خواص بتاتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ سامراج اجارہ دار سرمایہ داری ہے اور یہ ناکارہ سرمایہ داری ہے۔

جب سرمایہ داری اجارہ داری کی شکل اختیار کرتی ہے تو اس سے سرمایہ داری نظام کی بنیاد

میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اس کے وجود میں آ جانے کے بعد بھی سرمایہ داری نظام کے لوازمات منڈی، مقابلہ اور بحران باقی رہتے ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داری کے دور میں بڑے پیمانے کی صنعتیں جن میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں قائم ہوتی ہیں۔ اس میں بہت سی صنعتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور منڈیوں اور خام مال کے وسائل پر ان کا قبضہ ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ سائنس دانوں اور ان کے ایجادات پر بھی کنٹرول ہو جاتا ہے۔ بینکوں اور صنعتوں کا قریبی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ صنعتوں اور بینکوں پر مٹھی بھر سرمایہ داروں کا قبضہ ہو جاتا ہے اور زیادہ سے منافع خوری عمل میں آتی ہے۔ محنت کش طبقہ کی لوٹ بڑھ جاتی ہے اور ان کی قوت خرید میں کمی آ جاتی ہے۔ اس صورت حال سے مزدوروں اور سرمایہ داروں کے مابین تضاد شدت اختیار کر جاتا ہے۔ سرمایہ داری جس نے جاگیرداری کی جگہ لی تھی اور جاگیرداری نظام پیداوار سے نیا اور ترقی پسند نظام پیداوار نافذ کیا تھا، سامراج کی صورت اختیار کرنے پر وہ ایک رجعتی نظام بن جاتا ہے جو انسانی سماج کی نشوونما کو روکنے کا باعث بنتا ہے۔

پیداواری رشتوں اور پیداواری قوتوں میں مطابقت معاشی ترقی کا بنیادی قانون ہے۔ سرمایہ داری نظام کے اجارہ داری کی صورت میں ڈھل جانے سے یہ مطابقت ختم ہو جاتی ہے اور ان میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ پیداواری رشتوں کو جو پیداواری قوتوں کی ترقی میں رکاوٹ بن گئے ہیں، توڑ دیا جائے اور ان کی جگہ (یعنی سرمایہ داری پیداواری رشتوں کی جگہ) اشتراکی پیداواری رشتے قائم کیے جائیں۔

کسی عہد کے پیداواری رشتے اس عہد کے قانونِ ملکیت سے عبارت ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری عہد میں یہ رشتے نجی ملکیت سے عبارت ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داری کے دور میں یہ تاریخی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے کہ صنعتوں اور بینکوں کی نجی ملکیت ختم کر کے انہیں عوامی ملکیت میں لیا جائے تاکہ پیداواری قوتوں میں پھر سے مطابقت پیدا ہو جائے اور انسانی سماج بغیر کسی روک ٹوک کے آگے بڑھ سکے۔

اجارہ دار سرمایہ داری کے دور میں سرمایہ داری سماج کے تمام تضادات بہت شدید ہو

جاتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ سماج ایک نئے اور بلند تر نظام یعنی سوشلزم کے لیے تیار ہے۔

سامراج کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ زوال پذیر سرمایہ داری ہے۔ اس دور میں چوں کہ صنعتوں اور بینکوں میں مٹھی بھر لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ اشیا کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں طریقہ پیداوار کو بہتر بنانے میں زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ نئی ایجادوں کو بھی کام میں نہیں لاتے۔ اجارہ دار سرمایہ دار پیداواری عمل سے بہت دور ہو جاتے ہیں اور ان کی صنعتیں اور بینک تنخواہ دار ملازم چلاتے ہیں۔ وہ خود صنعتی مراکز سے دور اپنی کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے ہیں۔

اس دور میں اجارہ دار سرمایہ دار مزدوروں میں سے ایک خوش حال طبقہ پیدا کرتے ہیں اور پھر اُن کے ذریعہ ٹریڈ یونینوں میں اپنا اثر اور رسوخ قائم کرتے ہیں۔ ایسے ٹریڈ یونین لیڈر اور پیٹی بورژوا عناصر مزدور تحریک میں انتشار پھیلانے کا باعث بنتے ہیں اور مزدور تحریک میں موقع پرستی لاتے ہیں۔ مزدور تحریک میں موقع پرستی کا مطلب سرمایہ داروں سے مفاہمت کرنا اور مزدوروں کو سرمایہ داری نظام کے خلاف جدوجہد سے باز رکھنے کا نام ہے۔ اس دور میں یہی عناصر سرمایہ داروں کے اقتدار کو قائم رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔

سامراج کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ناکارہ اور بوسیدہ سرمایہ داری ہے۔ اس میں مزدور اور سرمایہ داروں کے درمیان نیز سامراجی ملکوں کے درمیان اور محکوم و نیم محکوم ملکوں میں سامراجیوں کے درمیان تضادات شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ مزدور سامراج کو ڈھا کر سوشلزم لانے کے لیے جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں۔ سامراجی ملکوں کا تضاد سامراجی جنگوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور محکوم و نیم محکوم ملکوں کی جدوجہد قومی آزادی کی تحریک بن جاتی ہے جو عالمی سطح پر سوشلسٹ انقلاب کا جزو ہوتی ہے۔

اس دور میں اجارہ دار سرمایہ دار ریاست کی مشین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اجارہ دار سرمایہ داری ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری بن جاتی ہے اور اجارہ دار سرمایہ دار ریاستی اقتدار کو اپنے منافعوں اور زائد منافعوں کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبر اور تشدد روزمرہ کا

معمول بن جاتا ہے۔

چوں کہ سرمایہ داری نظام میں ترقی متوازن نہیں ہوتی، کچھ ملکوں میں سرمایہ داری نظامِ پیداوار دوسرے ملکوں سے پہلے وجود میں آجاتا ہے اور کچھ میں بعد ازاں۔ تو اس وجہ سے سامراجی عہد میں اس بات کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ سوشلزم ایک یا چند ملکوں میں کامیاب ہو سکے۔ لیکن سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں انقلابی مزدور طبقہ موجود ہو اور اس کی سیاسی پارٹی ہو جس کا محنت کشوں سے گہرا رابطہ ہو اور مزدور طبقہ کا کسانوں سے گہرا اتحاد موجود ہو جن کو ساتھ ملا کر ہی انقلاب کامران و فتح یاب ہو سکتا ہے۔

سرمایہ داری کا عام بحران

سرمایہ داری نظام پیداوار میں ہر پانچ یا دس سال کے بعد بحران کا آنا لازمی امر ہے۔ یہ بحران زائد پیداوار کا بحران کہلاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری نظامِ پیداوار میں پیداوار کھپت سے زائد ہوتی ہے۔ اور ساری کی ساری استعمال میں نہیں آتی۔ کیوں کہ اس نظام میں صرف اتنی ہی پیداوار استعمال میں آتی ہے، جتنی کو خریدنے کے لیے عوام کے پاس قوتِ خرید ہو۔

جب سرمایہ داری نشو و نما کی منزلیں طے کرتی کرتی اجارہ دار سرمایہ داری بن گئی تو یہ معاشی بحران روزمرہ کا معمول بن گیا اور بحران صرف معاشی نہیں رہا بلکہ سیاسی اور ثقافتی بھی ہو گیا۔ سامراج کے عام بحرانوں کا قانونِ حرکت لینن نے دریافت کیا اور یہ کہا کہ سرمایہ داری کے سامراجی دور میں داخل ہونے سے بحران صرف معاشی بحران نہیں رہا بلکہ عام بحران کہ صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور اب یہ بحران زندگی کے ہر شعبے پر چھا گیا ہے۔ اس دور میں قانون حرکت کی وجہ سے سامرجی جنگوں کا آغاز ہوا اور سوشلسٹ نظام سرمایہ داری نظام کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

چوں کہ سرمایہ داری نظام کی نشو و نما تمام ملکوں میں بہ یک وقت نہیں ہوئی بلکہ یہ نظام چند ملکوں میں پہلے قائم ہوا۔ اس لیے جن ملکوں میں یہ نظام پہلے قائم ہوا، وہ ترقی کی دوڑ میں آگے نکل گئے۔ اور جب دوسرے ملکوں میں یہ نظام قائم ہوا تو انہیں اپنے کارخانوں کے لیے خام مال حاصل

کرنے میں اور اپنی مصنوعات کے لیے منڈیاں ڈھونڈنے میں دِقت پیش آئی۔ کیوں کہ اس وقت ایشیا، افریقہ کے تمام ملکوں پر اُن ملکوں کا تسلط ہو چکا تھا جہاں جہاں صنعتیں پہلے لگی تھیں۔ اس صورت حال کے نتیجہ میں سرمایہ دار ملکوں کے ان دونوں گروہوں میں منڈیوں کی تقسیم پر شدید اختلافات رونما ہوئے اور یہ اختلافات پہلی سامراجی جنگ کی صورت اختیار کر گئے۔

پہلی سامراجی جنگ جو منڈیوں کی از سرِ نو تقسیم کرنے کے لیے لڑی گئی، وہ اس تضاد کو حل نہ کر سکی بلکہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی سرمایہ داری نظام میں ایک وسیع شگاف پڑ گیا اور دنیا کا چھٹا حصہ یعنی روس عالمی سرمایہ داری نظام سے الگ ہو گیا اور وہاں سوشلسٹ نظام عالم وجود میں آ گیا۔ سوشلسٹ نظام کے وجود میں آ جانے سے ایک نئے تضاد یعنی دو نظام ہائے زندگی کے مابین تضاد کا اضافہ ہو گیا اور سوشلسٹ انقلاب سے سرمایہ داری نظام کے تمام تضادات میں اور زیادہ شدت پیدا ہوئی کیوں کہ سوشلسٹ انقلاب نے سرمایہ دار ملکوں کے مزدوروں کی جدوجہد کو نئی توانائی بخشی اور محکوم و نیم محکوم ملکوں کی آزادی کی تحریک کو نیا حوصلہ عطا کیا۔ محنت کشوں کے اس باشعور حوصلے نے بھی سرمایہ داری نظام کے بحران کو شدید کرنے میں قابلِ قدر کام کیا۔

پہلی سامراجی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے لینن نے لکھا ہے کہ ''اگر سامراجی اور سرمایہ داری برسرِ اقتدار رہے تو ایک اور سامرجی جنگ ناگزیر ہے''۔ اور لینن کی یہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی اور پہلی جنگ کے بیس سال بعد سامراجی ملکوں کے دو گروہوں کے درمیان پھر سے جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں سوویت یونین کے خلاف حملہ کیے جانے کے سبب اشتراکی روس کو بھی شامل کر لیا گیا۔ سوویت یونین نے فاشزم کو شکست دینے میں جس بے جگری سے حصہ لیا، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرقی یورپ کے کئی ممالک سرمایہ داری نظام سے الگ ہو گئے اور ساتھ ہی اس کے بعد چین کا اشتراکی انقلاب مکمل ہو گیا اور اس کے سبب سرمایہ داری نظام کا بحران اور شدید ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا دو معاشی نظاموں میں بٹ گئی اور دو عالمی منڈیاں یعنی سرمایہ دار منڈی اور سوشلسٹ منڈی عالم وجود میں آ گئیں۔ نوآبادیاتی نظام جو عالمی سامراج (اجارہ دار سرمایہ داری نظام) کی شادابی کا سامان مہیا کرتا تھا شکست و ریخت سے دوچار ہو گیا اور محکوم ملکوں

کے عوام سامراجیوں کے تسلط سے آزاد ہونے لگے۔ اس سے عالمی سرمایہ داری نظام کا عام بحران اور گہرا ہو گیا۔

اگرچہ نوآبادیاتی نظام ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن سامراج نے ایک نئی صورت میں ان ملکوں میں اپنا اثر پیدا کر لیا ہے۔ اور عالمی سرمایہ داری نظام کے سربراہ کی حیثیت سے امریکی سامراج نے دوسرے سرمایہ دار ملکوں کو ساتھ لے کر ان ملکوں میں اپنا اثر قائم کر لیا ہے اور اس طرح ایک نیا نظام یعنی جدید نوآبادیاتی نظام وجود میں آ گیا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک سیاسی طور پر آزاد ہو چکے ہیں چوں کہ ان ملکوں میں جو حکومتیں قائم ہوئی ہیں، انہوں نے ترقی کا سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کیا ہے اور سرمایہ دارانہ طریقے سے سامراجی ملکوں سے قرضے حاصل کیے ہیں اس لیے سامراجی ملکوں کو ان ترقی پزید ملکوں میں اپنا معاشی اور سیاسی اثر بڑھانے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔ مگر اس صورت تحال سے سرمایہ داری نظام کا بحران کم نہیں ہوا بلکہ بڑھ گیا ہے۔ کیوں کہ سوشلسٹ ممالک معاشی سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن ترقی پزید ممالک سامراجی قرضوں سے معاشی ترقی کا راستہ اختیار کرنے کے باوجود آزاد معاشی نظام قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ترقی پذیر ملکوں پر قرضے کا ناقابلِ برداشت بوجھ پڑ گیا ہے اور ان ترقی پذیر ملکوں کے عوام کی غربت میں مزید اضافہ ہوا ہے اور افراط زر، بے کاری اور مہنگائی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔

سرمایہ داری نظام کا بحران اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ اس کے سنبھلنے کا کوئی امکان باقی نہیں ہے اور اس میں شکست و ریخت کا عمل بہت تیزی سے جاری ہے۔ جہاں تک ترقی پذیر ملکوں کا تعلق ہے ان میں سرمایہ داری نظام بحران کا شکار ہے۔ اس سے نہ تو ان ملکوں کی معاشی مشکلات حل ہوئی ہیں، نہ سیاسی استحکام پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ ثقافت کے میدان میں ترقی کر سکے ہیں۔ ان ملکوں میں بحران پوری شدت سے کارفرما ہے۔ سرمایہ دار ملکوں میں افراطِ زر، مہنگائی اور مالیاتی بحران رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر قابو نہیں پایا جا سکا ہے۔ ترقی پذیر اور سرمایہ دار ملکوں کے درمیان تضاد بڑھ رہا ہے کیوں کہ ترقی پذیر ملک قرضوں کی ادائیگی کے قابل نہیں ہیں۔ خود ترقی پذیر ملکوں میں عوام

اور سرمایہ داروں کے مابین خلیج روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔اس سے پیداوار اور کھپت میں فرق بڑھتا جارہا ہے۔ یہ صورت حال ظاہر کرتی ہے کہ سرمایہ داری نظام کو استحکام نصیب نہیں ہوسکتا۔

ترقی پذیر ملکوں میں خود کفیل معاشی نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ وہ سامراج کے معاشی اور سیاسی اثرات سے نجات حاصل کریں، جاگیرداری زرعی نظام کو ختم کریں اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے ہوئے بنیادی اور بھاری صنعتوں کو پبلک سیکٹر میں لگا کر ترقی کا راستہ اختیار کریں۔اس راستے کو اختیار کیے بغیر سرمایہ داری نظام کے بحران سے نجات نہیں حاصل کی جاسکتی اور بے کاری، غربت اور مہنگائی سے نہیں بچا جاسکتا۔

یہ کام مزدوروں، کسانوں اور دانش وروں کے اتحاد اور سوشلزم کے شعور ہی سے نجام پا سکتا ہے۔

سرمایہ داری نظام کا عام بحران جو سرمایہ داری کے اجارہ داری میں شامل ہونے سے ہوا تھا، وہ سرمایہ داروں کی تمام کوششوں کے باوجود ختم نہیں ہوا ہے، بلکہ بڑھا ہے۔اور سرمایہ داری نظام میں جو شکست وریخت جاری ہوئی تھی، وہ اب معاشی میدان تک ہی محدود نہیں رہی ہے بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں سرایت کرگئی ہے اور ان پر حاوی ہوگئی ہے۔جس سے یہ حقیقت بالکل نمایاں ہے کہ سوشلزم کے قیام ہی سے اس نظام کی تمام غلاظتوں اور لعنتوں سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔

سنگت اکیڈمی کی کتابیں

www.sangatacademy.net

جلدنمبر	کتاب کا نام	صفحات	قیمت
1	**بلوچ**۔مہرگڑھ سے ریاست کی تشکیل تک	240	400
2	**بلوچ**۔جاگیرداری عہد	248	450
3	**بلوچ**۔نوآبادیاتی عہد	322	495
4	**بلوچ**۔سرمایہ داری عہد	زیرطبع	زیرطبع
5	**بلوچ**۔ساحل وسمندر	220	300
6	**بلوچ**۔عورتوں کی تحریک	112	150

دیگر کتب

1	پتیں شہید	عبدالرحمٰن پہوال	45	25
2	وفا کا تذکرہ	شاہ محمد مری	184	250
3	شمع فروزاں	عبداللہ جان جمالدینی	80	50
4	اسلم اچکزئی	ملک محمد پناہ	37	20
5	فہمیدہ ریاض	شاہ محمد مری	120	200
6	لٹ خانہ	عبداللہ جان جمالدینی	248	250
7	کارواں کے ساتھ	گل خان نصیر اردو شاعری	264	200
8	علم المعیشت	سی آر اسلم	126	150
9	چین آشنائی	شاہ محمد مری	336	280

10	بلوچستان کی ادبی تحریک	شاہ محمد مری	200	300
11	بلوچی زبان وادب	شاہ محمد مری	504	790
12	بروقت	وحید زہیر	140	200
13	تلخیاں	ساحرلدھیانوی	250	250

تراجم اردو

1	اباسین پر سحر ہوتی ہے	سلیمان لائق/شاہ محمد مری	165	150
2	یادداشتیں	صدرالدین عینی/شاہ محمد	168	250
3	افلاس کا کارواں	نور محمد ترہ کی/شاہ محمد	86	120
4	سپارٹیکس	ہاورڈ فاسٹ / شاہ محمد	320	495
5	منتخب سوویت افسانے	شاہ محمد	335	250
6	سٹیزن ٹام پین	ہاروڈ فاسٹ/شاہ محمد	375	495
7	گندم کی روٹی	عبدالستار پردلی/شاہ محمد	96	150
8	بلوچ نے مجھے دھکا دیا	گوہر ملک / شاہ محمد	130	100
9	مری بلوچوں کی جدوجہد آزادی	لیمبرک / شاہ محمد	103	100
10	جینی کے خطوط	جینی ویسٹ فالن/شاہ محمد	168	300
11	کارل مارکس کی داستانِ حیات	فرانز مہرنگ/شاہ محمد	630	750
12	مستیں توار	آزاد جمالدینی /انجم قزلباش	40	20
13	کارل مارکس اور زندگی افکار	والکوف/شاہ محمد مری	254	130
14	لوہسون کے منتخب افسانے	شاہ محمد مری	190	300

تراجم بلوچی

1	کمیونسٹ مینی فیسٹو (بلوچی)	مارکس، اینگلز / شاہ محمد	128	200
2	جہاں جسکیں دہ روش	جان ریڈ/شاہ محمد	270	400
3	آزادی	کرسٹوفر کاڈویل/شاہ محمد	60	100
4	کرنلاکس کا غذ نوشتہ نہ کنت	مارکوئیز/فدا بلوچ	80	150
5	تاریخہ تہا نفرہ کرد	پلیخانوف/شاہ محمد	55	20

6	دزوکچک	نجیب محفوظ/شرف شاد	132	200
7	برغرنا مسٹر	نور محمد ترہ کی/رحیم عزیز آبادی	80	150
8	ایوان الیچئے مرگ	ٹالسٹائی/ریزن صبا	66	
9	اینمل فارم	جارج آرویل/علی دوست	104	150
10	وارڈ نمبر شش	انتون چیخوف/شرف شاد	88	100

عشاق کے قافلے

جلد نمبر		صفحات	قیمت
1	مزدک (سپارٹیکس، تھامس مور، ، توماسو کمپنیلا، جیرالڈ ونسٹلے،، جین ملیر، سینٹ سائمن، اوون، چارلس فیوریئر، پائرے پرودھون، میخائل باکونن، نکولائی چرنی شیوسکی، ایڈوارڈ ویلنٹ، پیاتر لاورف، نکولائی میخائیلوفسکی، جین جاریز، فرڈیننڈ لاسال، اگسٹ ببیل، ویلہلم لب نخت، وولف۔ والٹیر، قراۃ العین طاہرہ)۔	152	300
2	شاہ عنایت شہید	80	150
3	ٹام پین	135	200
4	شاہ لطیف	112	200
5	مست	380	500
6	جینی ویسٹ فالین		
7	کارل لب نخت (روزالگزمبرگ، کلارازیٹکن، فرانز مہرنگ، ٹرگنیف، ٹالسٹائی، جارجی پلیخانوف)۔	زیر طبع	
8	کروپسکایا	زیر طبع	

9	میکسم گورکی (لونا چرسکی، ٹراٹسکی، جان ریڈ، انتون گرامچی، جارجی دیمتروف)۔		
10	یوسف عزیز مگسی	200	395
11	عبدالعزیز کرد (نسیم تلوی، محمد امین کھوسہ، عبدالرحمان بگٹی، محمد حسین عنقا، قادر بخش نظامانڑیں، خان عبدالصمد اچکزئی، ملک فیض محمد یوسف زئی)۔	152	250
12	ماؤزے تنگ کم ال سنگ۔	112	200
13	ہوچی من (جنرل گیاپ، لی دوان)	120	200
14	فیڈل کاسٹرو (جوزی مارٹی)		
15	چے گویرا (آلندے، شاویز، پبلو نرودا، وکٹر ہارا)۔	زیرطبع	
16	بابو	160	200
17	ملک عبدالرحیم خواجہ خیل (قاضی داد محمد، ملک محمد پناہ)	زیرطبع	
18	گل خان نصیر	248	200
19	گل خان کے ساتھی	زیرطبع	
20	سی آر اسلم (فیروزالدین منصور، سید مطلبی فرید آبادی)	سٹاک میں نہیں	

21	کرشن چندر (سبط حسن، ساحر لدھیانوی، حبیب جالب، علی عباس جلالپوری، کاکا جی صنوبر حسین، لال خان، نور محمد چوہان، خواجہ رفیق، ملک اسلم، محمد علی بھارا، اسلم ریڈیو، فیض احمد فیض، چودھری حفیظ، چودھری فتح محمد، عابد حسن منٹو، ہرکشن سنگھ سرجیت)	زیرطبع	
22	بابا بزنجو	150	300
23	خیر بخش مری	زیرطبع	
24	قسور گردیزی (عبدالرحمان کرد، محمد اسلم اچکزئی، ملک محمد پناہ، کرار حسین، لال بخش رند، عبدالرحمٰن غور، زمرد حسین، خلیل صدیقی،، پروفیسر نادر قمبرانی، انور احسن صدیقی، مراد ساحر)	زیرطبع	
25	ماما عبداللہ جان جمالدینی	200	300
26	ڈاکٹر خدائیداد (مراد ساحر، آزات جمالدینی، نادر قمبرانی، خلیل صدیقی، لال بخش رند، انور احسن صدیقی)	زیرطبع	
27	سائیں کمال خان شیرانی (صوفی نور محمد، صاحبزادہ ادریس، ایتھل اور جولیس روزنبرگ)	160	300
28	سوبھوگیان چندانڑیں (حیدر بخش جتوئی، شاہ لطیف، امام علی نازش، نذیر عباسی، ابراہیم جویو، شیخ ایاز)	200	200
29	پیٹرس لومبا (گرامچی، بھگت سنگھ، نیلسن منڈیلا، نور محمد ترہ کی، عبدالرحمان پہوال، انجیلا ڈیوس، کرسٹوفر کاڈویل، وپشاروف، محمود درویش۔ ہاورڈ فاسٹ)۔		
30	ڈاکٹر امیر الدین (ڈاکٹر فہمیدہ حسین، محمد سرور، اکبر بارکزی، سائمن غلام قادر، عزیز مینگل، اکرام احمد، محمد علی صدیقی، عبدالستار پردلی، گل بنگلزئی، دربدر خاک بسر، جاوید اختر، کیسنڈرہ بالچن، سعید مستوئی، عیسیٰ بلوچ، انوار احمد)	132	250